علمی، ادبی، دینی، وتبلیغی رسالہ

ماہنامہ

# اذان بلال آگرہ

جلد ۳۷

شمارہ: ۹، ۱۰

صفر المظفر، ربیع الاول ۱۴۴۷ھ مطابق ستمبر، اکتوبر ۲۰۲۵ء

## مدیر: ابوالبرکات مظاہری

بیادگار

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ

سرپرست

حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

موبائل نمبر: 9557358285
9411401142

فون: ۰۵۶۲-۲۵۲۰۷۴۸

زرتعاون ہندوستان سے

فی شمارہ............۲۵/روپئے
سالانہ.........۲۵۰/روپئے
خصوصی........۲۰۰۰/روپئے
سہ سالہ........۷۵۰/روپئے
لائف ممبری....۱۰۰۰۰/روپئے

بیرون ممالک

۵۰/امریکی ڈالر کے مساوی

مجلس ادارت

اساتذۂ دارالعلوم آگرہ

اس دائرہ میں سرخ نشان علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی، آئندہ کے لئے براہِ کرم رقم ارسال فرمادیں

خط وکتابت کا پتہ: منیجر ''اذان بلال'' دارالعلوم آگرہ محلہ پیر جیلانی آگرہ۔۴

# اس شمارے میں


| صفحہ | مضمون نگار | فہرست مضامین | نمبر شمار |
|---|---|---|---|
| ۵ | حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ | علمی معجزہ | ۱ |
| ۱۷ | حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ | اصطلاحات سے حقیقت...... | ۲ |
| ۲۸ | حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب | دھوکہ کی تاویلیں | ۳ |
| ۳۴ | حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری | فقہ وفتاوی | ۴ |
| ۴۱ | حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ | انسانی سماج اور ضرورت تعلیم | ۵ |
| ۵۰ | پیر ذوالفقار احمد نقشبندی | حکمِ خدا کی اہمیت | ۶ |
| ۵۸ | ادارہ | خبرنامہ | ۷ |



Printed at : Rabbani Printers Katra Sheikh Chand Lal Kuan Delhi.110006
Published by:Abul Barakaat Mazahiri Darul Uloom Agra Peer Jilani Agra-4.



مضمون نگار کی ہر بات سے ادارہ ''اذان بلال'' کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ ادارہ



پرنٹر پبلیشر ابوالبرکات مظاہری نے ربانی پرنٹرس کٹرہ شیخ چاند لال کنواں دہلی سے چھپوا کر ''دفتر اذان بلال'' دارالعلوم آگرہ محلہ پیر جیلانی آگرہ نمبر-۴- یوپی (انڈیا) سے شائع کیا۔

قسط اول

# علمی معجزہ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

## معجزہ دلیل نبوت ہے

بزرگانِ محترم! انبیاء علیہم السلام کو اللہ تبارک وتعالی نے مختلف معجزات دیئے ہیں معجزہ چوں کہ دلیل نبوت ہوتا ہے۔تو وہ نبی ہی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔غیر نبی کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہوتا اور گویا یہ فعلِ خداوندی ہے کہ اس کی مثل لانے سے مخلوق عاجز ہوتی ہے۔

چناں چہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تبارک وتعالی نے یہ معجزہ دیا تھا کہ وہ اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔تو احیائے موتیٰ ان کا معجزہ تھا۔اسی طرح اندھے مادرزاد کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے، ان میں بینائی آجاتی تھی۔ جذامیوں اور کوڑھیوں کو پر ہاتھ پھیرتے تھے، ان کا بدن صاف ستھرا بن جاتا تھا۔ بلکہ اس دور کے ڈاکٹرز واطباء عاجز آ گئے تھے اور ان بیماریوں کو لاعلاج سمجھا گیا تھا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہ معجزہ ظاہر کیا تو دنیا سمجھ گئی کہ یہ اسباب کے درجے کی چیز نہیں ہے ضرور مسبب الاسباب کی طرف سے یہ کوئی کرشمہ اور خرقِ عادت ہے۔ یہ ان کی نبوت کی دلیل تھی۔

موسیٰ علیہ السلام آئے ان کو عصاء موسیٰ دیا گیا جس کی خاصیت یہ تھی کہ اسے زمین پر ڈالتے تھے وہ ازدہا بن جاتا تھا، ہاتھ میں تھام لیتے تھے تو لکڑی بن جاتی تھی۔اسی طرح یدِ بیضاء ان کو عطا کیا گیا۔گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالتے تھے تو سورج کی طرح سے ان کا ہاتھ چمکتا تھا۔ ہرسو

روشنی پھیل جاتی تھی۔ دنیا نے سمجھ لیا کہ یہ چیزیں دوسرا کوئی دکھلانے والا نہیں ہے۔ یقیناً یہ خدا کی طرف سے اس شخص کی نبوت اور رسالت پر دلیل ہے۔ جو سفیرِ خداوندی ہے اور اس کی سفارت لے کر آیا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا، اور اللہ نے ان کے ہاتھ پر خرقِ عادت کی ظاہر کی۔ کہ ان کو دھکتی ہوئی آگ میں ڈالا گیا اور آگ بردوسلام بن گئی۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ چیز دکھلانے والا ابراہیم علیہ السلام کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ ان کے ہاتھ پر ایک ایسا عجیب معجزہ ظاہر ہوا جو ان کے مبعوث من اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ تو نارِ خلیل ان کو دی گئی۔

اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو بھی معجزات دیئے گئے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو ظُلۂ شعیب دیا گیا۔ مگر قوم نے جب نہ مانا تو ابر آیا اور ابر میں سے انگارے برسے۔ قوم عذاب میں مبتلا ہوئی۔ حضرت ہود علیہ السلام آئے تو ہوا کا معجزہ دیا گیا قوم نے نافرمانی کی۔ تیز آندھی چلی اور سات دن تک چلتی رہی یہ چھوٹی موٹی آندھی نہیں تھی اتنی عظیم آندھی کہ اس نے بستیوں کو اٹھا اٹھا کر پھینکا ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ قومِ عاد کے جانوروں کی آوازیں فضا میں سنی جاتی تھیں مکانات اوپر جاتے تھے پھر پٹخے جاتے تھے۔ یہ معجزہ تھا جس سے سمجھ لیا گیا کہ یہ شخص بے شک مبعوث من اللہ ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کو ناقۂ صالحہ دی گئی۔ قوم نے مطالبہ کیا کہ کوئی دلیل لاؤ، کوئی سند لاؤ کہ ہم تمہیں نبی سمجھیں فرمایا جو تم مانگو انہوں نے کہا کہ پتھر میں اونٹ نکالو۔ ظاہر ہے کہ بشر کا یہ کام نہیں ہے کہ پتھر میں سے اونٹنی نکال دے۔ یہ تو اسی ذات کا کام ہے جس کی شان یہ ہے کہ

**يخرج الحی من الميت ويخرج الميت من الحی**

زندہ میں سے مردہ نکال دے اور مردہ میں سے زندہ پیدا کردے۔

تو پتھر جیسی ظاہری طور پر ایک بے جان چیز میں سے جان دار کو نکالنا یہ معجزہ تھا۔ آپ یہ

معجزات رات دن دیکھتے رہتے ہیں مگر چوں کہ رات دن کا قصہ ہے اس لیے وہ عجیب معلوم نہیں ہوتا۔ انسان کی پیدائش کیا معجزہ نہیں ہے؟ ایک جماد لا یعقل، ایک بے حقیقت قطرہ، اس پانی پر نقاشی کرنا نقش کھینچنا اور گندے قطر میں سے ایک پاکباز انسان نکال کر تیار کرنا، بے عقل چیز میں سے عاقل انسان کو پیدا کر دینا۔ بے جان چیز میں سے جان دار چیز کو نکالنا، بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ پتھر کے اندر سے اونٹنی نکال دی گئی۔ مگر چوں کہ رات دن یہ قصہ ہمارے سامنے ہے۔ اس لیے مشکل اور عجیب نہیں معلوم ہوتا۔ ورنہ معجزات رات دن ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اور اللہ کی قدرت کی نشانیاں نمایاں ہوتی رہتی ہیں۔ تو حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ ناقۂ صالح تھی۔

یوسف علیہ السلام کو قمیص یوسف دیا گیا۔ وہ یعقوب علیہ السلام کے چہرۂ مبارک پر ڈالا گیا قمیص کا ڈالنا تھا کہ بارہ برس کی بینائی جو ضائع ہوئی تھی پانچ منٹ بعد لوٹ آئی۔ اور آنکھیں روشن ہو گئیں۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

داود علیہ السلام کو الانۃِ حدید کا معجزہ دیا گیا کیا۔ لوہے کو ہاتھوں میں پکڑتے تھے وہ موم کی طرح سے نرما جاتا تھا۔ جس طرح چاہتے اس سے سامان بنا لیتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو تسخیر ریاح کا معجزہ دیا گیا۔ ہوائیں مسخر تھیں ان کے حکم سے ہوائیں تخت اڑاتی تھیں۔ سواریاں لے جاتی تھیں۔ ہوا پر وہ کام ہوتا جو زمین پر سواری کو چلانے کا ہوتا ہے۔ اسی کو فرمایا گیا۔

**فسخرنا له الريح تجری بامره رخاء حيث اصاب**

بہر حال تسخیر ریاح یہ سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ اسی طرح منطق الطیر کا معجزہ بھی دیا گیا۔ پرندوں کی بولیوں کا جاننا اور سمجھنا اور اس پر احکام مرتب کرنا یہ اعجازِ سلیمانی تھا۔

تو داود علیہ السلام کو الانۃِ حدید یعنی لوہے کو نرما دینے کا معجزہ دیا گیا۔

سلیمان علیہ السلام کو تسخیر ریاح، موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضاء اور عیسیٰ علیہ السلام کو

احیائے موتی کا معجزہ دیا گیا۔ یہ تمام معجزے درحقیقت ان کی نبوت کے دلائل تھے۔ تا کہ یہ سمجھا جائے کہ یہ مبعوث من اللہ ہیں۔ خدا کی طرف سے آتے ہیں اوراس کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔

## آپ ﷺ کے عملی معجزات کا تفوق

جناب رسول اللہ ﷺ کو بھی اسی قسم کے ہزاروں معجزات عطا کئے گئے اگر عیسی علیہ السلام کو احیائے موتی کا معجزہ دیا گیا کہ ان کے ارشاد سے مُردے زندے ہوتے تھے تو نبی کریم ﷺ کے ہاتھ سر استوانۂ حنانہ کو زندگی عطا کی گئی۔

واقعہ آپ نے سنا ہوگا احادیث میں صراحۃً موجود ہے کہ منبر بننے سے قبل مسجد نبوی میں نبی کریم ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ تو کھجور کا ایک سوکھا ہوا تنا کھڑا ہوا تھا، جس کو کاٹ دیا گیا تھا۔ اس پر ٹیک لگا کر آپ خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ ایک مدت دراز تک آپ ﷺ نے اس پر ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا۔ جب منبر تیار ہو گیا۔ اس پر آپ خطبہ پڑھنے کے لیے تشریف لے گئے، تو حدیث میں موجود ہے اس ستون میں سے آہ وبکا کی آوازیں نکلنا شروع ہوئیں۔ اس طرح سے اس نے بلک بلک کر رونا شروع کیا جیسے فراق زدہ انسان روتا ہے۔ اور جب چیخ و پکار بڑھی تو حضور ﷺ ممبر سے اترے، اس پر ہاتھ رکھا اور اس طرح دلاسہ دیا جس طرح سسکتے ہوئے بچے کو چپ کرایا جاتا ہے، اور وہ چپ ہوا۔

تو عیسیٰ علیہ السلام نے اگر مُردے کو زندہ کیا تو آپ ﷺ کے معجزے سے ایک سوکھا ہوا تنا زندہ بنا۔ یہ معجزہ اس سے کہیں زیادہ بلند تر ہے۔

اس لیے کہ انسانی لاش میں بہر حال پہلے جان موجود تھی۔ اگر دوبارہ لوٹ آئے تو اس روح کو اس بدن سے مناسبت تھی۔ اگر نکل سکتی تھی تو داخل بھی ہو سکتی تھی۔ اپنے محل اور مکان میں پہنچ گئی، اپنے سانچے میں آ کر ڈھل گئی۔

لیکن کھجور کا ایک تنا زندہ ہو، اور زندہ ہو کر وہ آثار ظاہر ہوں جو جان دار میں سے ظاہر ہوتے ہیں اگر فقط اتنی زندگی ہوتی کہ اس پر ہرے پتے لگ جاتے تو کہا جاتا کہ اس کے اندر روحِ نباتی آ گئی۔ روح نباتی اگر اس کے خشک ہونے کی وجہ سے چلی گئی تھی وہ دوبارہ لوٹ آئی، اس کا محل تھا۔ جیسے مردے میں جان آ جائے۔

لیکن جان آئی تو ایسی آئی جو جانداروں کی سی جان ہے یعنی روح حیوانی داخل ہوئی۔ نہ صرف روح حیوانی بلکہ انسانی افعال ظاہر ہوئے۔ تو روح انسانی داخل ہوئی اور انسانی افعال میں سے وہ افعال سرزد ہوئے جو عشاق خداوندی سے سرزد ہوتے ہیں عاشقانِ الٰہی کی طرح فراق نبوی میں رونا اور چلانا شروع کیا جو ایک عاشق خداوندی کا کام ہے۔ تو ایک کھجور کے خشک تنے میں جان بھی آئی تو انسانوں جیسی بلکہ کامل انسانوں جیسی۔ تو یہ اس سے بڑا معجزہ ہے کہ ایک لاش کے اندر انسانی جان آئے جو انسان ہی کی لاش تھی۔ لاش تو ہو درخت کی اور روح اس میں کامل انسان کی پڑے یہ کہیں زیادہ اونچی بات ہے بنسبت اُس احیاء موتی کے۔ تو حضورﷺ کو عصا اور ید بیضا عطا کیا گیا کہ ہاتھ روشن ہوتا تھا۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ نبی کریمﷺ صحابی جن کا نام غالباً حنیفہؓ ہے وہ جنگل میں جا رہے تھے۔ سخت اندھیرا تھا، راستہ ملتا نہیں تھا۔ حق تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ راستے کی کیا صورت ہو؟ کس طرح سے مجھے راہ ملے۔

حدیث میں ہے کہ ان لاٹھی اس طرح سے روشن کر دی گئی کہ پورے جنگل میں روشنی پھیلی اور راہ نظر آنے لگی۔ تو حضورﷺ کے فیض صحبت سے صحابہ کرامؓ میں یہ کرامتیں پائی گئیں۔ یہ معجزہ ہی کا اثر تھا۔ یہ حضورﷺ کا معجزہ کہلائے گا جو آپﷺ کے خادم کے ہاتھ پر ظاہر ہوا۔ تو جتنے بھی انبیاء علیہم السلام کو معجزات دئے گئے وہ سب کے سب بلکہ بدر جہا زائد نبی کریمﷺ کو عطا فرمائے گئے۔

---

## سب سے بڑا معجزہ

لیکن آپ ﷺ کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ جو انبیائے سابقین کو نہیں دیا گیا وہ معجزہ فی الحقیقت علمی معجزہ ہے۔ جس کو قرآن حکیم کہا جاتا ہے کہ ایسی کتاب اور شریعت لا کر پیش کی جو جامع ہدایات ہے۔ اسلوبِ بیان کے اعتبار سے دیکھا جائے تو معجزہ ہے اس کی فصاحت وبلاغت وہ ہے کہ دنیا اس کے مقابلہ کرنے سے عاجز رہ گئی معانی اور مضامین کے لحاظ سے انتہائی جامع ہے کہ اتنا جامع کلام پیش کرنے سے دنیا عاجز آ گئی۔

عرب کے لوگ فصاحت وبلاغت میں بے مثل تھے۔ ان کو دعویٰ تھا کہ ہم عرب ہیں۔ باقی ساری کی ساری دنیا عجم ہے عجم کے معنی گونگے کے ہیں۔ وہ اپنے مقابلہ میں پوری دنیا کو گونگا جانتے تھے کہ نہ انہیں بولنا آتا ہے نہ یہ شادی اور غم کی شرح کر سکتے ہیں، نہ وہ اسالیب بیان ان کے ہاتھ میں ہیں جو عربوں کے ہاتھ میں ہیں۔ قصائد لکھتے تھے۔ اور دنیا کو چیلنج کرتے تھے کہ کوئی ہے جو ان کا مقابلہ کرے؟ ان جیسا قصیدہ لائے؟ بیت اللہ میں قصیدے ٹانگے جاتے تھے۔ چیلنج دیا جاتا تھا کہ کوئی ان کا مثل بنا کر لائے۔ یہ گویا اس زمانے میں عام دستور تھا۔ اور عربوں کی فصاحت وبلاغت اس حد پر پہنچ چکی تھی کہ ان کی پانچ چھ برس کی بچیاں ننانوے ننانوے اشعار کے نہایت بدیہ قصائد برجستہ پڑھ جاتی تھیں۔ یہ سبعہ معلقہ جو درس نظامی میں پڑھائی جاتی ہے یہ وہی سات قصیدے ہیں جو بیت اللہ میں لٹکائے گئے تھے اور چیلنج کیا گیا تھا کہ کوئی ان کا مثل لائے۔ غرض اس زمانے میں عربوں کے اندر فصاحت وبلاغت کا زور تھا، اس وقت کا معجزہ جو جناب نبی کریم ﷺ نے لا کر پیش کیا وہ فصاحت وبلاغت ہی کا معجزہ تھا جس کو قرآن کریم کہا جاتا تھا کہ انہوں نے اگر قصائد لٹکا کر چیلنج کیا اللہ نے قرآن اتار کر چیلنج کیا۔

**قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذہ القرآن لایاتون**

---

**بمثله ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا.**

اگر جن اور انسان سب مل کر مجتمع ہو جائیں۔ اور اس قرآن کا مثل بنانا چاہیں تو ان کو قدرت نہیں ہے کہ وہ بنا سکیں اس لیے کہ یہ بشر کا کلام نہیں ہے یہ خدا کا کلام ہے۔

## حقیقتِ معجزہ

جس سے سب عاجز آ جائیں یہ دلیل ہوتی ہے کہ بشر کے قبضۂ قدرت کی بات نہیں ہے۔ آج آپ پہچانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سورج اور چاند خدا کا فعل ہے۔اس لیے کہ سارے انسان مل کر چاہیں تو سورج کی ایک کرن نہیں بنا سکتے آپ کہتے ہیں کہ زمین خدا کی بنائی ہوئی ہے۔ دلیل یہی دے دیتے ہیں کہ سارے انسان جمع ہو جائیں تو زمین کا ایک ذرہ نہیں پیدا کر سکتے۔ اس کے ذروں کو جوڑ توڑ کر اس سے کام لے لینا تو اور چیز ہے۔لیکن ایک ذرہ بنا دیں جس میں وہی انبات وغیرہ کی تمام صلاحیتیں ہوں جو زمین میں ہیں دنیا کے سارے فلاسفر جمع ہو کر نہیں بنا سکتے چاند اور سورج تو علویات وفلکیات میں سے ہیں ارضیات میں سے زمین کا ایک چھوٹے سے چھوٹا جز انسان نہیں بنا سکتا۔ درخت کی ایک پتی ایسی نہیں بنا سکتا جس میں وہی خاصیتیں ہوں جو اللہ نے کسی تنے میں رکھی ہوں۔ یہ الگ چیز ہے کہ آپ زمین کے اجزاء میں ترکیب اور تحلیل کر کے اس سے کوئی نئی چیز پیدا کر لیں۔مگر پیدا کرنے میں آپ اسی زمین کے اور اس کے مادوں کے محتاج رہیں گے۔خود مادے کو اپنے ہاتھ سے بنا لینا اور اس کو ایجاد کر لینا، عدم سے وجود میں لے آنا یہ انسان اور بشر کی قدرت کی چیز نہیں ہے سارے انسان جمع ہو جائیں نہیں بنا سکتے۔جس چیز سے سارے انسان عاجز آ جائیں اس کی نظیر نہ لا سکیں اسی کو معجزہ کہتے ہیں۔

## کلامی معجزے کے سامنے اہلِ کلام کی بے بسی

اسی طرح کلام کے سلسلہ میں ساری دنیا کے فصحاء اور بلغاء عاجز آ گئے اور وہ عرب عاجز

آ گئے جنہوں نے دینا کو چیلنج کیا تھا کہ ہمارے مقابلہ پر کوئی فصاحت و بلاغت کا نمونہ لائے لیکن جب قرآن کی آیتیں پڑھی گئیں تو ہار مان لی اور کہا کہ

**ان فیه لحلاوة وان فیه لتروا ة**

اس کلام میں عجیب قسم کی حلاوت اور شیرینی ہے۔ کہ ہم پیدا کرنا چاہیں تو اس کا عشرِ عشیر بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ غرض اس زمانے کے فصحاء اور بلغاء اس چیز کو مان گئے کہ ہم اس کی نظیر لانے سے عاجز ہیں۔

ورنہ آپ خود اندازہ کیجئے کہ جب چیلنج کیا گیا تو جن لوگوں نے نبی کریم ﷺ کو گھر سے بے گھر کیا۔ انتہائی ایذاء رسانی کی لڑائیاں ٹھانیں، مقابلے کئے۔ یہ ساری چیزیں تھیں۔ مگر ایک آیت کی نظیر لا کر پیش کر دی ہو کسی نے یہ نہیں کیا۔ پورا قرآن تو بجائے خود ہے کہ کسی آیت کی نظیر نہیں دے سکے۔ اسی لیے قرآن نے پہلے تو یہ چیلنج کیا کہ

**علیٰ ان یاتوا بمثل هذا القرآن**

اس قرآن کا مثل لاؤ پھر تنزل کر کے کہا

**قل فاتوا بعشر سور مثله مفتریٰت**

تم کہتے ہو کہ یہ اختراع کردہ کلام ہے تو اس قسم کی اختراع کردہ دس سورتیں تم بھی تو لاؤ پھر اور تنزل کیا اور کہا

**فاتوا بسورة مثله**

ایک ہی سورت اس جیسی بنالاؤ

سورت میں یہ بھی قید نہیں لگائی کہ سورۃ بقرہ جیسی سورۃ ہو۔ جو اڑھائی پارے کی ہے۔ آل عمران جیسی سورۃ ہو یہ بھی قید نہیں۔ **انا اعطینک** کی طرح کی چھوٹی سی سورۃ بنالاؤ پھر اس سے تنزل کیا اور کہا کہ **فلیاتوا بحدیث مثله ان کانوا صدقین**

اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ایک بات ہی اس جیسی بنالاؤ۔

سورۃ تو بجائے خود ہے

تو اندازہ کیجئے اس قوم کے سامنے جو چیلنج دینے کی عادی تھی اتنے بڑے چیلنج دیئے جائیں وہ دوسرے سارے مقابلے کرے، جتن کرے۔ لیکن کلام کی نظیر نہ پیش کرے تو وہ سمجھتی تھی کہ یہ بشر کی طاقت سے خارج ہے اس قدر فصاحت و بلاغت سے کلام کا بھرا ہوا ہونا یہ صرف اعجازِ خداوندی ہے۔

## انسانی صفات کی حدِ اعجاز

آپ اندازہ کیجئے کہ جتنی بھی انسانی صفات ہیں اور انسانی افعال ہیں ان میں ایک حد ایسی نکلتی ہے کہ وہاں پہنچ کر انسان عاجز ہو جاتا ہے۔ ایک حد تک قادر رہتا ہے پھر ایک احد پر جا کر عاجز ہو جاتا ہے۔ اسی حد سے سمجھا جاتا ہے کہ آگے خدائی حدود ہیں مثلاً آپ دیکھتے ہیں گویا آپ میں بصر کی طاقت ہے۔ آپ فرلانگ دو فرلانگ یا میل بھر کی چیز دیکھ لیں گے۔ آسمان کے ستارے دیکھ لیں گے۔ لیکن اس کے بعد؟ اس کے بعد نگاہ عاجز ہوگی اور ایک حد نکلے گی جہاں آپ کی نگاہ عاجز ہو جائے گی، آپ تحت الثری کو نہیں دیکھ سکتے، صرف سطح کو دیکھ سکتے ہیں آپ کسی چیز کے اندرونی جگر کو اپنی بصر سے نہیں دیکھ سکتے۔ بصر عاجز ہے۔ بہر حال آپ کی بصر دیکھے گی، اسے دیکھنے کی قدرت ہے مگر ایک حد ایسی نکلے گی جہاں آکر عجز کا اقرار کرنا پڑے گا کہ ہم نہیں دیکھ سکتے۔ اس سے آگے خدائی حدیں شروع ہو جاتی ہیں۔ ان کو دیکھنے والی صرف اللہ کی ذات ہے۔ اسی کی بصر ہے جو دیکھتی ہے۔

آپ میل دو میل یا پچاس میل کی بات سنیں گے۔ آلات کے ذریعے سے آپ مشرق و مغرب کی خبریں سن لیں گے لیکن آسمان کے اندر کی خبریں اور آوازیں بھی آپ سننے لگیں؟

آپ کی سماعت یہاں آ کر عاجز ہوجائے گی۔اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی سمع و بصر اور تکلم بھی محدود۔ ہر چیز محدود ہے ایک حد کے اندر گھری ہوئی ہے۔اس حد کے اوپر آپ پہنچ کر آپ اپنے عجز کا اقرار کرتے ہیں۔اس حد سے باہر خدائی قوتیں ہوتی ہیں۔

یہی صورت کلام کی بھی ہے کہ آپ کلام کرنے کے سلسلہ میں فصیح و بلیغ اور بہتریں کلام کریں گے۔آپ بہترین شاعر بن جائیں گے۔آپ سے بڑھ کر کوئی اور پیدا ہوگا۔وہ آپ سے اچھا کلام کرے گا۔پھر اس سے اور بڑھ کر پیدا ہوگا جو اور اچھا کلام کرے گا۔مگر ایک حد ایسی نکلے گی کہ بشر وہاں عجز کا اقرار کرے گا کہ اتنے دقیق معانی کو میں چار الفاظ میں ادا کرنے پر قادر نہیں ہوں۔

نبی کریم ﷺ افصح العرب والعجم ہیں۔احادیث میں دقیق سے دقیق مضامین سہل سے سہل تعبیر سے ادا فرمادئے گئے ہیں دوزخ ونار کی کیفیات، جنت کی کیفیات، حشر کی کیفیات اور قبر کے احوال وغیرہ جو خالص کیفیاتی چیزیں ہیں ان کو اگر ادا کیا ہے تو جناب رسول اللہ ﷺ نے سہل الفاظ میں ادا کیا ہے، تعبیر اور عنوان نہایت سہل، اور مضامین نہایت دقیق ایک عامی آدمی سمجھے گا تو اپنی بساط کے مطابق سمجھے گا۔اسی کلام کو ایک حکم پڑھے تو اس میں سے حکمت کی باتیں نکالے گا۔تو کلام چھوٹا سا ہے مگر مضامین اس میں بھرے ہوئے ہیں۔احادیث کا ذخیرہ آپ کے سامنے ہے ان کی شرح میں ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ان کی حد ونہایت نہیں۔حدیث ایک ہے۔ہر عالم نئی سے نئی اس کی شرح کرتا ہے۔یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معانی کی کوئی حد ونہایت نہیں ہے۔ایک عالم پہلو لیتا ہے تو اس پہلو سے بے انتہاء علوم نکلتے چلے آتے ہیں۔ دوسرا عالم دوسرے پہلو پر غور کرتا ہے تو اس سے بے انتہاء علم نکلتا چلا آتا ہے۔حدیث ایک ہوتی ہے اس کے اندر سے ہزاروں دقائق اور معانی نکلتے آتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ افصح العرب والعجم ہیں لیکن آپ خود فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے بارے

میں میں بھی عاجز ہوں کہ میں ایسا کلام نہیں لاسکتا۔ یہ خدا ہی کا کلام ہے۔تو ایک حد ایسی پیدا ہوئی کہ خالق اس تعبیر کے اوپر قادر ہے۔مخلوق کو قدرت نہیں دی گئی۔تو تمام صفات میں، سمع، بصر، قدرت اور حیات ہوان میں جیسے ایک حد اعجاز نکلتی ہے تو کلام میں بھی ایک حد اعجاز ہے، اور وہی حد اعجاز معجزہ کہلاتی ہے۔تو حضور ﷺ کو قرآن کریم کا معجزہ دیا گیا ہے۔

## اعجازِ کلام

قرآن کریم کے معجزہ ہونے کے ثبوت میں مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں بڑے بڑے دلائل پیش کئے گئے ہیں۔موٹی سی ایک بات یہ ہے کہ جو سمجھنے کی ہے۔ ہر شخص اسے سمجھے گا۔ کہ ہر انسان پر مختلف کیفیات آتی ہیں جس کیفیت کا غلبہ ہوتا ہے اس حالت میں جو وہ کلام کرتا ہے وہی کیفیت اس کے کلام کی ہوتی ہے۔اگر وہ یوں چاہے کہ اس وقت میرے کلام میں دوسری کیفیت آجائے۔اسے قدرت نہیں ہوتی۔

مثلاً ایک شخص غمگین بیٹھا ہوا ہے خدانخواستہ کوئی میت ہوگئی۔اس کا قلب غم میں ڈوبا ہوا ہے۔اس وقت وہ جو بھی کلام کرے گا اس میں غم کے اثرات نمایاں ہوں گے۔اگر وہ یہ چاہے کہ میں اس وقت خوشی کا کلام کروں اسے قدرت نہیں ہوگی۔اگر وہ تصنع اور بناوٹ کرکے چاہے بھی کہ میں خوشی کا بھرا ہوا کلام کروں ناممکن ہے۔اس لیے کہ اس پر اس وقت غم کی کیفیت غالب ہے۔جس چیز کا غلبہ ہوگا، وہی چیز اس کے کلام میں آئے گی۔

اگر ایک شخص پر خوشی ہے اس کے ہاں شادی ہورہی ہے وہ جب بھی بولے گا۔اس کے ہر ہر لفظ سے بے ساختہ خوشی ٹپکے گی۔اگر وہ یوں چاہے کہ میں ایسا کلام کروں جس سے بے انتہاء غم ٹپکتا ہوا ہو۔اس کی قدرت میں نہ ہوگا۔ کیوں کہ وہ اس وقت خوشی سے مغلوب ہے۔تو ہر کیفیت انسان پر جب آکر غالب ہوتی ہے اس کیفیت کے تحت جب بھی کلام کرے گا تو کلام میں اسی

کیفیت کا غلبہ ہوگا۔ایک کیفیت سامنے آئے گی، دوسری مغلوب ہوگی۔

لیکن قرآن کریم کو دیکھا جاتا ہے ایک وقت میں ایک آیت نازل ہوئی اس کی ابتداء میں بے انتہاء جلال خداوندی کا اظہار معلوم ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ دوسرے جملے میں بے انتہاء جمال معلوم ہوتا ہے کہ بے انتہاء بشارتیں اس میں چھپی ہوئی ہیں۔اگر جنت کا ذکر ہے تو اسی کے ساتھ دوزخ کا ذکر ہے اور جس وقت ہم پڑھتے ہیں تو یہ کیفیات ہمارے قلوب کے اوپر طاری ہوتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں متضاد کیفیات برابر چل رہی ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان تو ابن الحال ہے، ہر حال اس پر غالب آتا ہے جیسا حال ہوگا ویسا کلام کرے گا۔لیکن حق تعالی شانہ پر کوئی چیز غالب نہیں آسکتی۔

**واللہ غالب علی امرہ**

نہ خوشی غالب آسکتی ہے نہ غمی۔خوشی اور غمی اس کی پیدا کردہ ہے اس لے جب وہ کلام کریں گے تو اگر چاہیں کہ اس میں خوشی کی کیفیات بھری ہوئی ہوں اس میں پیدا کردیں گے۔ اگر چاہیں کہ غمی کی کیفیات ہوں تو وہ پیدا کردیں گے۔کیوں کہ وہ ہر چیز پر ہر وقت قادر ہیں۔تو قرآن کریم کی ایک ایک آیت کے اندر جو لمبی آیت ہو کئی کئی متضاد کیفیات پوری قوت کے ساتھ برابری سے سمجھ میں آتی ہیں۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام بشر کی طاقت سے خارج ہے بشری کلام نہیں بلکہ اس ذات کا کلام ہے جو ہر چیز کے اوپر غالب ہے اس کی صفات اور اس کی شانیں اس کے اندر بھری ہوئی ہیں جب آدمی پڑھے اور سمجھ کر بصیرت کے ساتھ پڑھے تو کچھ کیفیات قلب پر مترشح ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔

☆☆☆

# اصطلاحات سے حقیقت، اور وسائل سے مقصد کی طرف

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

اصطلاحات اور مروجہ الفاظ وعنوانات نے بعض اوقات حقائق کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے اوران کو بڑا نقصان پہونچایا ہے، دنیا کے ہر علم وفن زبان وادب اور دین ومذہب میں اس زیادتی کی ایک طویل روداد ہے، ان اصطلاحات سے بسا اوقات ایک نیا تصور پیدا ہوگیا ہے، اس کے متعلق نئے نئے قسم کے سوالات اوراعتراضات پیدا ہوگئے، اختلاف وتنازعہ کا ایک لامتناہی سلسلہ اٹھ کھڑا ہوا، مختلف مذاہب اور مکتب خیال وجود میں آئے، دلائل اور منطق کی محفلیں آراستہ ہوئیں، افکار وخیالات میں تصادم ہوا، اور لوگ مختلف گروہوں اور جماعتوں میں بٹ گئے۔

اگر ہم ان نئے اصطلاحات اورعرفی ناموں کو ترک کر کے عہدِ ماضی کی طرف واپس ہوں، جب ان حقائق کے لیے بہت سادہ اور عام فہم الفاظ مستعمل تھے، اور بڑی سہولت کے ساتھ ان کیفیات اور معانی کی ترجمانی کی جاتی تھی، اوران الفاظ کو اختیار کرلیں جو ہمارے اسلاف کے یہاں رائج تھے، تو یہ مسئلہ اسی وقت حل ہو جائے گا، اور تمام جماعتوں میں صلح ہوجائے گی۔

انہیں اصطلاحات میں ایک اصطلاح ''تصوف'' ہے، جو لوگوں میں بہت رائج ہے، اس سلسلہ میں طرح طرح کے سوال کھڑے ہوئے اور بحثوں کا ایک طویل سلسلہ قائم ہوگیا۔ سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوا کہ اس لفظ کی حقیقت ومراد کیا ہے؟ اس کا مأخذ ومنبع کیا ہے، آیا وہ ''صوف'' سے ماخوذ ہے یا ''صفا'' سے ''صفو'' سے نکلا ہے، یا ''صفہ'' سے؟ یا وہ ایک یونانی لفظ صوفیاء سے لیا گیا ہے جس کے معنی حکمت بتائے جاتے ہیں۔

آخر یہ لفظ کہاں سے برآمد کیا گیا، اور کس طرح اس کا رواج ہوا، جب کہ نہ قرآن

وحدیث میں اس کا وجود ملتا ہے اور نہ صحابۂ کرام اور تابعین کے اقوال میں! نہ خیر القرون میں اس کا سراغ ملتا ہے، اور ہر ایسی چیز جس کا حال اور جس کی یہ تاریخ ہو بدعت کہلانے کی مستحق ہے، غرض کہ اس طرح تصوف کے حامیوں اور مخالفوں میں ایک قلمی اور لسانی معرکہ برپا ہوگیا، اور اس کے نتیجے میں ایک مستقل کتب خانہ وجود میں آیا جس کا سرسری جائزہ لینا بھی مشکل ہے۔

اگر ہم اس اصطلاح کو ترک کرے (جس سے ہم دوسری صدی میں روشناس ہوئے ہیں) قرآن وحدیث اور عہد صحابہؓ وتابعینؒ کی طرف رجوع کریں اور کتاب وسنت کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کریں، تو ہمیں نظر آئے گا کہ قرآن دین کے ایک شعبہ اور نبوت کے ایک اہم رکن کی طرف خصوصیت سے توجہ دلاتا ہے اور اس کو ''تزکیہ'' سے تعبیر کرتا ہے، اور ان چار ارکان میں اس کو شامل کرتا ہے، جن کی تکمیل حضورﷺ کے منصب نبوت سے متعلق اور مقاصد بعثت میں شامل تھی۔

**ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین.** (سورۂ جمعہ۔۲)

وہی ہے جس نے اٹھایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں کا، پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے، اور سکھلاتا ہے، کتاب اور دانائی اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح بھول میں۔

تزکیہ سے مراد یہ ہے کہ انسانی نفوس کو اعلیٰ اخلاق سے آراستہ اور رذائل سے پاک صاف کیا جائے، مختصر الفاظ میں تزکیہ کی وہ شکل جس کے شاندار نمونے اور مثالیں ہم کو صحابہ کرامؓ کی زندگی میں نظر آتی ہیں، اور ان کے اخلاص اور اخلاق کی آئینہ دار ہیں، وہ تزکیہ جس کے نتیجے میں ایسا صالح پاکیزہ اور مثالی معاشرہ وجود میں آیا، جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ عاجز ہے، اور ایسی معدلت شعار اور حق پرست حکومت قائم ہوئی، جس کی مثال روئے زمین پر کہیں اور نہ مل

سکی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ زبانِ نبوت اسلام وایمان کے ساتھ ایک خاص درجہ اور مرتبہ کا ذکر کرتی ہے، اوراس کو احسان سے تعبیر کرتی ہے جس سے مراد یقین واستحضار کی وہ کیفیت ہے جس کے لیے ہر صاحبِ ایمان کو کوشاں ہونا چاہئے، اور جس کا شوق ہر مرد مومن کے دل میں موجزن ہونا چاہئے، رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ''احسان'' کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ''تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو، اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے'' (بخاری ومسلم)

جب ہم شریعت اسلامی اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال واحوال پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو حصوں پر منقسم تھے، ایک کا تعلق افعال وحرکات اور امور محسوسہ سے تھا، مثلاً قیام وقعود، رکوع وسجو، تلاوت وتسبیح، اذکار وادعیہ، احکام ومناسک، فن حدیث نے اس کی روایت اور تدوین کی خدمت انجام دی، علم فقہ نے اس سے مسائل وجزئیات کا استخراج کرنے کا بیڑا اٹھایا، اور محدثین اور فقہاء امت نے (اللہ تعالی ان کو اس کار عظیم کا بہترین صلہ عطا فرمائے) دین کو اس طرح محفوظ کر دیا کہ امت کے لیے اس پر عمل پیرا ہونا آسان ہو گیا۔

دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق ان باطنی کیفیات سے ہے، جو ان افعال وحرکات کے ساتھ لازم وملزوم ہیں، اور جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں قیام وقعود، رکوع وسجود، ذکر ودعا، وعظ ونصیحت، گھر کے ماحول، میدان جہاد غرض ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہیں، ان کیفیات کی تعبیر ہم اخلاص واحتساب، صبر وتوکل، زہد واستغناء، ایثار وسخاوت، ادب وحیاء، خشوع وخضوع، انابت وتضرع، دعاء کے وقت دل شکستگی، دنیا پر آخرت کو ترجیح، رضائے الہی اور دیدار کا شوق، اور اس طرح کی اور دوسری باطنی کیفیات، اور ایمانی اخلاق سے کر سکتے ہیں، جن کی حیثیت جسم انسانی میں روح کی اور ظاہر میں باطن کی ہے۔ پھر ان عنوانات کے تحت اور بہت سی جزئیات اور آداب واحکام ہیں،

جنہوں نے اس کوایک مستقل علم اور علیحدہ فقہ کا درجہ دے دیا ہے، چناں چہ اگر اس علم جو اول الذکر کی شرح وتفسیر سے متعلق ہے، فقہ ظاہر کہا جا سکتا ہے، تو وہ علم جو ان کیفیات کی تشریح کرتا اور ان کے حصول کے لیے رہنمائی کرتا ہے، ''فقہ باطن'' قرار دیا جا سکتا ہے۔

زیادہ مناسب تو یہ تھا کہ ہم اس علم کو جس کا کام تزکیۂ نفوس اور تہذیب اخلاق ہے، اور جو نفس انسانی کو فضائل شرعیہ سے آراستہ اور نفسانی واخلاقی رذائل سے پاک وصاف کرتا ہے، اور کمالِ ایمان ودرجۂ احسان، اخلاق نبوی کی پیروی، روحانی وباطنی کیفیات میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع وتقلید کی دعوت دیتا ہے، ''تزکیہ'' یا ''احسان'' ہی کے نام سے یاد کرتے یا کم از کم فقہ باطن ہی کہتے، اگر ایسا ہوتا تو شاید اختلاف ونزاع کی نوبت ہی نہ آتی، اور سارا جھگڑا ختم ہو جاتا، اور دونوں فریق جن کو محض اصطلاح نے ایک دوسرے سے برسرِ نزاع کر رکھا ہے۔ مصالحت پر آمادہ ہو جاتے۔

احسان اور فقہ باطن سب علمی وشرعی حقائق اور دین کے مسلمہ اصول ہیں، جو کتاب وسنت سے ثابت ہیں، اگر اہل تصوف اس مقصد کے حصول کے لیے (جس کو ہم تزکیہ واحسان سے تعبیر کرتے ہیں) کسی خاص اور متعین راستے یا شکل پر اصرار نہ کرتے (اس لیے کہ زمان ومکان اور نسلوں کے مزاج اور ماحول کے ساتھ اصلاح وتربیت کے طریقے اور ان کے نصاب بھی بدلتے رہتے ہیں) اور وسیلہ کے بجائے مقصد پر زور دیتے تو اس مسئلہ میں آج سب یک زبان ہوتے اور اختلاف کا سررشتہ ہی باقی نہ رہتا، سب دین کے اس شعبہ اور اسلام کے اس رکن کا جس کو ہم تزکیہ یا احسان یا فقہ باطن کہتے ہیں، صاف اقرار کرتے، اور اس بات کو بلا تامل قبول کرتے کہ وہ شریعت کی روح دین کا لب لباب اور زندگی کی بنیادی ضرورت ہے، اور یہ کہ جب تک اس شعبہ کی طرف کما حقہ توجہ نہ کی جائے، اس وقت تک کمالِ دین حاصل نہیں ہو سکتا، اور اجتماعی زندگی کی بھی اصلاح نہیں ہو سکتی، اور نہ صحیح معنی میں زندگی کا لطف آ سکتا ہے۔

اس صورتِ حال سے ہم کو اندازہ ہوتا ہے کہ اس اصطلاح ''تصوف'' نے دین کی کتنی عظیم، کتنی روشن اور کتنی اہم حقیقت پر پردہ ڈال دیا ہے، اور بہت سے لوگوں کی راہ میں اس حقیقت کے حصول میں مانع بن گیا ہے، بلکہ بہت سے لوگ تو ہمت ہی ہار بیٹھے اور اس کا خیال ہی ترک کر دیا، لیکن اس کے بہت سے وجوہ اور تاریخی اسباب ہیں، جن کا ذکر اس موقع پر کرنا مشکل ہے، بہر حال واقعات ہمیشہ انسان کے خواہش کے تابع نہیں ہوتے، اب ہم کو فراخ دلی کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہئے، اور قیود و اصطلاحات اور خواہشات اور تعصّبات سے آزاد ہو کر سوچنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ ہم ایک دینی حقیقت سے (جو شریعت کے مسلمات میں سے ہے، اور کتاب وسنت اس کی دعوت دیتے ہیں، اور انسانی معاشرہ کو بھی اس کی شدید احتیاج ہے) محض ایک نئی اصطلاح اور ایک مروج نام کی وجہ سے گریز اختیار کرنے لگیں۔

اس کے علاوہ دوسری چیز جس نے اس دینی حقیقت کو اور زیادہ غبار آلود کر دیا، وہ پیشہ ور اور جاہ طلب ''حقیقت فروش'' اور الحاد شعار اور فاسد العقیدہ نام نہاد صوفی ہیں، جنہوں نے دین میں تحریف کرنے، مسلمانوں کو گمراہ کرنے، معاشرہ میں انتشار پیدا کرنے، آزادی و بے قیدی کی تبلیغ کرنے کے لیے تصوف کو آلۂ کار بنایا اور اس کے محافظ اور علمبردار بن کر لوگوں کے سامنے آئے، نتیجہ یہ ہوا کہ اہل غیرت اور اہل حمیت مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ان سے بدظن ہوگئی، کچھ غیر محقق صوفی ایسے تھے جو اس شعبہ کی روح اور اس کے حقیقی مقاصد سے ناآشنا تھے، وہ مقصد اور وسیلہ میں تمیز نہ کر سکے، بعض اوقات انہوں نے وسائل پر تو بہت اصرار کیا اور مقاصد کو نظر انداز کر دیا، اور اس شعبہ یا اس فن میں ایسی چیزیں داخل کیں، جن کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا، اور اس کو فن کی روح اور فن کا کمال قرار کر دیا بلکہ مقصود و مطلوب سمجھ بیٹھے، غرض کہ اس طرح انہوں نے مسئلہ کو اور پیچیدہ بنا دیا اور اس نزاع کو مختصر کرنے کے بجائے اور طول دے دیا، انہوں نے ان چیزوں کو جن کا مکلّف ہر مسلمان ہے، اور جو دین کی روح اور زندگی کی ضرورت ہیں،

معمہ فلسفہ اور رہبانیت بنا کر پیش کیا، جن کی ہمت صرف وہی شخص کر سکتا تھا جو ترک دنیا اور مادی اسبابا سے کناری کشی کا فیصلہ کر چکا ہو، اور دنیا کی ساری نعمتوں سے دستبردار ہونا چاہتا ہو، ظاہر ہے کہ ایسے لوگ ہر جگہ اور ہر زمانہ میں بہت کم ہیں، اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ نہ دین کا مطالبہ تھا، نہ رسول کی سنت نہ تخلیق انسانی کی حکمت۔

اسی کے ساتھ اللہ تعالی نے ہر دور اور ہر ملک میں ایسے لوگ بھی پیدا کر دیئے جو دین کو مبالغہ کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کی غلط بیانیوں اور جاہلوں کی تاویلات سے پاک وصاف اور عجمیت اور فلسفہ سے محفوظ کرتے رہے، بغیر کسی تاویل یا تحریف کے خالص تزکیہ کی دعوت دیتے رہے، جس کا نام احسان اور فقہ باطن ہے، انہوں نے اس ''طب نبوی'' کی ہر زمانہ میں تجدید کا فرض انجام دیا، وہ امت اسلامیہ میں نئی روح اور نیا ایمان پیدا کرتے رہے، بندوں کا تعلق اللہ تعالی کے ساتھ معاشرہ کا تعلق اخلاق کے ساتھ، علماء کا تعلق للٰہیت اور اخلاص کے ساتھ استوار کرتے رہے، ایک طرف وہ عوام میں خواہش نفس، دنیا پرستی اور مال واولاد کے فتنہ کا مقابلہ کرنیکی طاقت پیدا کرتے رہے۔ دوسری طرف انہوں نے خواص میں وہ ایمان ویقین اور روحانی قوت پیدا کی جس نے بادشاہوں کے انعامات اور تازیانے دونوں کا مقابلہ کیا، اوران کے وعدوں اوران کی تعزیروں کا مقابلہ کرنے، جابر بادشاہوں اور حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق کہنے، امراء اور بادشاہوں کا احتساب کرنے، اور مادی مظارہ کی بے وقعتی اور کفاف پر قناعت کی طاقت وصلاحیت پیدا کرتے رہے، اور تاریخ میں ایسی مثالیں نظر آئیں کہ ایک بزرگ سے بادشاہ کی خوشنودی کی خاطر اس کی دست بوسی کرنے کو کہا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ ''خدا کی قسم میں تو اس پر بھی راضی نہیں کہ وہ میرا ہاتھ چومے نہ یہ کہ میں اس کا ہاتھ چوموں، اے لوگو! تم ایک دوسری دنیا میں ہو اور میں ایک دوسرے عالم میں ہوں۔

بعض لوگوں کو بادشاہوں نے اپنے ملک میں بڑی سے بڑی پیشکش کی لیکن انہوں نے اس

کا جواب یہ دیا، کہ:۔

اللہ تعالی نے اس دنیا کا (باوجود اس کے طول وعرض کے) بڑی حقارت اور ذلت کے ساتھ ذکر کرتا ہے، ’’قل متاع الدنیا قلیل‘‘ اللہ تعالی نے آپ کو اس چھوٹے سے ٹکڑے میں سے ایک اور چھوٹا سا ٹکڑا عطا فرمایا ہے، اب میں اس میں بھی حصہ لگاؤں؟ یہ مجھے پسند نہیں۔

ایک بزرگ ایک امیر کے سامنے پیر پھیلا کر بیٹھے تھے، جب وہ امیر واپس ہوئے تو انہوں نے اشرفیوں کی تھیلی ان کی خدمت میں بھجوائی، انہوں نے یہ کہہ کر اس کو لینے سے انکار کر دیا کہ ’’جو اپنا پیر پھیلاتا ہے، وہ اپنا ہاتھ نہیں پھیلاتا‘‘۔

ہر زمانہ میں ایسی طاقت ور شخصیتوں اور جامع کمالات داعیوں کی ضرورت رہی ہے جو مسلمانوں میں تلاوت آیات تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفوس کا کام کریں۔

وہ انقطاع نبوت کے بعد رسول اللہ ﷺ کی نیابت کا فرض انجام دیں اور امت اسلامیہ کا رشتہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جوڑ سکیں، اور اس میثاق وعہد کی تجدید کریں جو کلمہ اور ایمان کے ذریعہ ہر مسلمان نے کیا ہے، اور اطاعت وفرمانبرداری، نفس اور شیطان کی مخالفت، اپنے معاملات میں خدا اور رسول کی عدالت سے فیصلہ کرانے، طاغوت کے انکار اور اللہ کی راہ میں مجاہدہ اور اس عہد کی تجدید اپنا شعار بنائیں جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا، اس لیے کہ خلافت راشدہ کے بعد خلفاء وسلاطین اسلام نے اس کام کو فراموش کر کے صرف فتوحات وٹیکس اور جزیہ کی وصولیابی اور اپنے اور اپنی اولاد کے لیے بیعت خلافت کے انعقاد سے دلچسپی باقی رکھی تھی، علماء بھی اصلاح سے عاجز تھے، وہ وعظ ونصیحت، درس وتدریس، تصنیف وتالیف میں ایسے منہمک تھے کہ کسی اور چیز کو سوچنے کی بھی انہیں فرصت نہ تھی، اس کے علاوہ اگر یہ اس کا ارادہ بھی کرتے تو بھی یہ بات ان کے بس کی نہ تھی، اس لیے کہ ان کی زندگی عوام کے سامنے تھی، اور وہ جانتے تھے کہ ان میں زہد واخلاص اور خلافت نبوت کے علامات اور اثرات کتنے کم اور شاذ ونادر

نظر آتے ہیں،غرض کہ اس طرح عام اور خاص ہر طبقہ میں دینی شعور اور دینی حس کمزور اور مضمحل ہوتی رہی، اور رفتہ رفتہ وہ یہ بھولنے لگے کہ اسلام درحقیقت بندہ اور اس کے رب کے درمیان عہد و میثاق اور بیع وشرا ہے،نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے تصرفات میں بالکل آزاد ہوگئے، اور خواہش نفس کو بالکل چھوٹ دے دی، ان کی حالت بھیڑ کے اس گلہ کی سی ہوگئی جس کا نہ کوئی چوپاں ہو نہ مقصد! عبادت کا شوق، درجہ احسان اور حلاوت ایمان کے حصول کا جذبہ سرد پڑنے لگا،ہمتیں پست ہوگئیں،عزائم خوابیدہ ہوگئے، اور عام طور پر لوگ (سوائے ان کے جن کو اللہ تعالی نے محفوظ رکھا) بہت بیتابی اور جنون کے ساتھ لذات اور خواہشات پر ٹوٹ پڑے۔

آخر کار اسلامی خلافت میں روح خلافت اور امانت نبوت کا خاتمہ ہوگیا، اور وہ حکومت وسیاست بن کر رہ گئی، جس کا کام صرف ٹیکس وصول کرنا تھا، اس وقت وسیع اسلامی مملکت میں ہر طرف رسول اللہ ﷺ کے سچے نائب، اللہ کے مخلص بندے اور اہل حق کھڑے ہوگئے اور ان کی دعوت وصحبت کے اثر سے تمام لوگ اسلام کے میثاق وعہد میں از سر نو داخل ہونے لگے، وہ فہم وارادہ،شعور واحساس کے ساتھ اس نئے عالم میں داخل ہو رہے تھے، جب کہ اسلام کو انہوں نے عادتاً اور وراثۃً قبول کیا تھا، اپنی تعلیم وتربیت سے انہوں نے ایمان اور لذت ایمانی کی تجدید کی، اور نفس کے تسلط،خواہشات کی اسیری، اور انسانوں کی غلامی سے آزاد ہوکر عبادات وطاعات، دعوت الی اللہ اور راہ حق میں جہاد کی طرف متوجہ ہوگئے۔

پھر ان جانشینوں اور شاگردوں میں اور ان سب لوگوں میں جنہوں نے دعوت میں ان کی پیروی کی، دعوت اسلامی کے ایسے علمبردار اور تربیت اسلامی کے امام فن (درمیانی اور آخری صدیوں میں) پیدا ہوئے جنہوں نے روح اسلامی اور شعلۂ ایمانی کی بقا وحفاظت، دعوت وجہاد کے شوق اور خواہشات وترغیبات کے مقابلہ کے میدان میں بہت اہم خدمات انجام دیں، اگر وہ نہ ہوتے تو مادیت جو حکومتوں اور تہذیبوں کے راستے سے حملہ آور تھی، پوری امت

اسلامیہ پر اپنا تسلط جمالیتی، اور زندگی ومحبت کی چنگاری بالکل سرد پڑ جاتی، ان لوگوں کی وجہ سے ایسے دور دراز ملکوں میں جہاں اسلامی افواج اور مجاہدین کے قدم نہیں پہونچے تھے، اسلام کی تبلیغ واشاعت ہوئی، ان کے ذریعہ سے اسلام کو افریقہ کے تاریک براعظم، انڈونیشیا، جزائر، بحر الہند، چین اور ہندوستان میں فروغ حاصل ہوا۔

اور پھر اس زمانہ اوران مایوس کن حالات میں جب ساتویں صدی ہجری میں تاتاریوں نے عالم اسلام کو زیروزبر کردیا اور اس کو تاراج کر کے رکھ دیا، جہاد اور مقابلہ کی طاقت بالکل ختم ہوگئی، اور کسی میں ان کے سامنے آنے کی ہمت باقی نہیں رہ گئی، مایوس ہوکر مسلمانوں نے تلوار اپنے نیام میں رکھ لی اوران کو یقین ہوگیا کہ تاتاریوں کو شکست دینا ناممکن ہے، اور عالم اسلام کی تقدیر میں اس نیم وحشی قوم کی غلامی لکھ دی گئی، اوراب اسلام کا کوئی مستقبل نہیں، اس وقت یہی مخلص دین کے داعی تھے، (جن میں سے اکثر کے نام تاریخ دعوت واصلاح کی دوربین اور عقابی نظر سے بھی اوجھل رہے ) جو ان سخت دل اور سخت جان وحشی انسانوں میں گھسے اوران کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ ان کے دلوں میں ان کی محبت اور قدر پیدا ہوگئی، اور پھر کثیر تعداد میں وہ لوگ اسلام قبول کرنے لگے، تاتاریوں کے اس غلبہ وکامرانی پر کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ ان کی بڑی تعداد اسلام کے آغوش میں آ گئی، اور وہ اسلام کے پاسبان اور محافظ بن گئے اوران میں بڑے بڑے فقیہ، عابد وزاہد، علماء اور مجاہد پیدا ہوئے۔

ہے عیاں آج بھی تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو مسلم سوسائٹی بہت عرصہ ہوا دم توڑ چکی ہوتی، اور مادیت کی سرکش اور گرم لہر اس کے بچے کھچے ایمان ویقین کا خاتمہ کردیتی، قلوب کا اللہ تعالی سے، زندگی کا روحانیت سے، معاشرہ کا اخلاق سے رشتہ منقطع ہوجاتا، اخلاص واحتساب

ختم ہو جاتا، اور باطنی امراض کی کثرت ہوتی، قلوب ونفوس کی بیماریاں پھیلتیں اور طبیب نہ ملتا، لوگ دنیا پر ٹوٹ پڑتے، اور اہل علم، جاہ ومنصب اور مال ودولت کے پیچھے دوڑتے، اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے، حرص وطمع کا ان پر کلی تسلط ہوتا، غرض کہ دین کا وہ شعبہ جو نبوت کے شعبوں میں ایک اہم شعبہ ہے، (یعنی تزکیۂ نفوس اور فقہ باطن) بالکل معطل ہو جاتا۔

ذرا ان ملکوں کی طرف نظر ڈالئے جہاں دعوت الی اللہ، روحانیت اور سچی خدا پرستی اور تزکیۂ نفوس کا کام عرصہ سے بند ہے، اور ایسے داعی اور علماء کی تعداد (جو انسانوں کا رشتہ خدائے تعالی سے استوار کریں، اور ان کی اصلاح باطن کی طرف متوجہ ہوں) مغربی تہذیب کے اثر یا مغرب کے قرب یا اور دوسرے اسباب کی بنا پر بہت کم ہوگئی ہے، وہاں آپ ایک ایسا خلاف پائیں گے، ایک مہیب اور طویل خلا، جس کو نہ وسعت علم اور تبحر علمی سے پر کیا جا سکتا ہے، نہ ذہانت اور عالی دماغی سے، نہ ادب عالیہ سے، نہ عربی زبان وادب سے گہرے ربط اور نسبی تعلق سے، نہ آزادی وحریت سے، یہ ایک ایسا روحانی واخلاقی مسئلہ ہے جس کا کوئی حل نہیں اعلیٰ طبقہ کے لوگ اور عوام تیز اور ہمہ گیر مادیت، دولت کی اندھی محبت، اور دوسرے اجتماعی اور اخلاقی امراض کا شکار ہیں، تعلیم یافتہ اور ذہین لوگ (مذہبی تعلیم وثقافت ہو یا مادی) عہدہ ومنصب، حسد اور بخل، تکبر اور انانیت، شہرت کی خواہش، نفاق اور مداہنت، مادہ اور طاقت سے مرعوبیت، جیسے باطنی امراض میں گرفتار ہیں، جہاں تک اجتماعی وسیاسی تحریکات کا سوال ہے، ان کو خود غرضی، تربیت کے فقدان اور لیڈروں کی کمزوری نے خراب کر دیا ہے، رہ گئے ادارے تو ان کے اختلافات، احساس کی ذمہ داری کی کمی، دنیا طلبی اور تنخواہوں میں اضافے کے عشق نے بیکار کر دیا ہے، اور وہ صرف اسی کام کے ہو کر رہ گئے ہیں۔

جہاں تک علماء کا تعلق ہے، ان کے وقار اور عزت کو مظاہر پرستی اور ظاہر داری، فقر سے

ضرورت سے زائد اور بیجا خوف، آرام طلبی اور عیش پسندی نے بگاڑ دیا، اور ان سب چیزوں کا علاج اس تزکیۂ نبوی کے علاوہ جس کا ذکر قرآن میں ہے، اور جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہے، اور اس ''ربانیت'' میں جو علماء سے مطلوب ہے، اور کہیں نہیں، ''**ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون**''۔

میں تزکیہ کی کسی خاص لگی بندھی اور متعین شکل پر زور نہیں دیتا، جس کا رواج عام ہو، اور جس کا نام آخری دور میں تصوف پڑا، نہ میں تصوف کے حاملین میں سے سب کو ہر طرح کی غلط روی وغلط فہمی سے بری سمجھتا ہوں! اور نہ ان کو معصوم قرار دیتا ہوں، لیکن یہ ضروری ہے کہ اس خلا کو جو ہماری زندگی اور ہمارے معاشرہ میں واقع ہوگیا ہے، جلد پُر کیا جائے، اور تزکیۂ واحسان اور فقہ باطن کو پھر سے تازہ کیا جائے، جس طرح ہمارے اسلاف نے اس کو اپنے اپنے زمانہ میں تازہ کیا تھا، اور یہ سب منہاج نبوت اور کتاب اور سنت کی روشنی میں ہو، بہر حال ہر دور میں اور ہر جگہ جہاں مسلمان بستے ہوں، یہ کام ضروری ہے، اس لیے کہ حقیقت میں یہ خلا ایک عظیم خلا ہے، اور ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس کے اثرات اور نتائج بہت دوررس ہیں۔

اپنے اپنے دور میں اس ذمہ داری کو ادا کرنے والوں اور اس خدمت کے انجام دینے والوں پر تنقید کرنے والوں سے ایک عربی شاعر کی زبان میں کہنا چاہتا ہوں۔

**اقلوا علیهم لا أبا لأبیکم**

**من اللوم أو سُدّوا المکان الذی سدُّوا**

ان اللہ کے بندوں پر ملامت بہت ہوچکی، مسئلہ یہ ہے کہ کیا ان کی جگہ لینے والا اور درد کا مداوا کرنے والا کوئی ہے؟

☆☆☆

# دھوکہ کی تاویلیں

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

مجھے برطانیہ سے ایک خط موصول ہوا ہے جس میں مکتوب نگار لکھتے ہیں:

''راقم آپ کی کتابوں کا قاری ہے، آپ کے مضامین بھی ''جنگ'' کے توسط سے گاہے بہ گاہے میسر آجاتے ہیں، آج کے اخبار میں آپ کا مضمون تھا ''یہ بھی چوری ہے'' اسے پڑھ کر دل چاہا کہ آپ کی خدمت میں ایک مسئلہ لکھوں جو یہاں درپیش ہے، اگر اس کا جواب اخبار ''جنگ'' ہی میں تحریر فرمائیں تو پورے مغرب کے لیے مفید ہوگا، کیوں کہ یہ مسئلہ صرف برطانیہ ہی میں نہیں، بلکہ پورے یورپ میں درپیش ہے۔

یورپ کے بہت سے ممالک میں یہ قانون ہے کہ بے روزگار افراد کو حکومت کی طرف سے ''بے روزگاری الاؤنس'' دیا جاتا ہے، یہ الاؤنس ہفتہ وار دیا جاتا ہے، اور ایسے افراد کو ہر دو ہفتے بعد محکمہ بے روزگاری میں یہ رپورٹ دینی ہوتی ہے کہ وہ تاحال بے ورزگار ہیں، اس رپورٹ کی بنیاد پر ان کے پاس گھر ہی پر چیک پہنچ جاتا ہے، جو ان کے کھانے اور رہائش وغیرہ کے اخراجات ہوتے ہیں۔

حکومت کی دی ہوئی اس سہولت سے بعض لوگ یہ فائدہ اٹھاتے ہیں کہ روزگار مل جانے کے باوجود اپنے آپکو بے روزگار ظاہر کرتے رہتے ہیں، اور گھر بیٹھے یہ الاؤنس وصول کرتے رہتے ہیں، ان لوگوں میں ہمارے بعض مسلمان بھائی بھی شامل ہیں، وہ ایک طرف حکومت سے بے روزگاری الاؤنس وصول کرتے ہیں اور دوسری طرف کسی دوکان یا ہوٹل میں کام کرتے ہیں یا ٹیکسی چلاتے ہیں، یا ٹیوشن پڑھا کر آمدنی حاصل کرتے رہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا یہ بھی چوری ہے؟ کیا ایسا کرنا حرام ہے؟ کیا اس کمائی سے حج کرنا جائز ہے؟ اس سے مسجد، مدرسے یا کسی اور فلاحی

ادارے کو چندہ دیا جاسکتا ہے؟ اور اگر چندہ لینے والوں کو معلوم ہو کہ یہ رقم اس طرح حاصل کی گئی ہے، تو کیا ان کے لیے چندہ وصول کرنا جائز ہے؟

اس سوال کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ بعض لوگ اس عمل کی حمایت میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یورپ کے یہ ممالک دارالکفر ہیں، یورپ کی حکومتیں اسلام دشمن ہیں، اور مسلمانوں پر ظلم کرنے والوں کی مدد کرتی ہیں، فلسطین، بوسنیا، کشمیر اور دوسرے مقامات پر مسلمان جس ظلم وستم کا شکار ہیں، اس میں یہ حکومتیں بالواسطہ ملوث ہیں، لہذا ہم بالواسطہ یورپ کی ان حکومتوں سے برسرِ جنگ ہیں، اور جنگ کی حالت میں ان کا مال اس طرح حاصل کرنا جائز ہے۔

یہی استدلال ٹیلی فون کے محکمے اور دوسرے پبلک محکموں کو فریب دینے کے بارے میں بھی پیش کیا جاتا ہے، بعض لوگ بینک سے قرض لے کر واپس نہیں کرتے، اور یہی دلیل استعمال کرتے ہیں، براہِ کرم ان سوالات کا جواب قدرے تفصیل سے دلائل کے ساتھ دیجئے، کیوں کہ مغربی ممالک کے مسلمانوں میں یہ باتیں اب خاصے بڑے پیانے پر پھیل رہی ہیں، آپ کی مصروفیت کا مجھے اندازہ ہے، لیکن امید ہے کہ آپ مایوس نہیں فرمائیں گے۔ (عبدالمجید-ایسٹن-برسٹل-انگلینڈ)

خط آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔ یہ خبر میرے لیے نئی نہیں ہے۔ مغربی ممالک کے سفروں کے دوران اس قسم کی بہت مثالیں میرے علم میں آتی رہیں ہیں، کہ ہمارے بعض مسلمان بھائی بہت چھوٹے چھوٹے مفادات کی خاطر ان دوسرے ملکوں میں بعض ایسے شرمناک کام کرتے ہیں جو ملک وملت کی بدنامی کا سبب ہوتے ہیں۔ لیکن جو بات نئی ہے وہ یہ کہ اب اس فسوس ناک طرز عمل کے جواز میں باقاعدہ دلائل بھی پیش کیئے جارہے ہیں، اور نہ صرف یہ کہ اسے جائز قرار دیا جارہا ہے، بلکہ مستحسن قرار دے کر اس کی تبلیغ کی جارہی ہے، اور ''برسر جنگ'' ہونے کی جو دلیل پیش کی گئی ہے، اس کے نظر بعید نہیں کہ اسے ''جہاد'' کا ایک حصہ قرار دیا جانے لگا ہو۔

اگر اس سلسلے میں واقعی کسی صاحب کو کوئی غلط فہمی ہے تو ان کی اطلاع کے لیے آں حضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے ایک واقعہ عرض کرتا ہوں، خیبر مدینہ طیبہ کے شمال میں ایک بڑا شہر تھا، یہاں آں حضرت ﷺ کے عہد مبارک میں یہودی آباد تھے، اور مدینہ طیبہ کی نوخیز اسلامی ریاست کے خلاف مسلسل سازشوں کے جال بنتے رہتے تھے، ےھ آں حضرت ﷺ نے ان پر ایک فیصلہ کن حملے کا فیصلہ کیا، اور خیبر کا محاصرہ فرمالیا، یہ محاصرہ کئی روز جاری رہا، اور خیبر کے یہودی باشندے قلعہ بند ہوکر مسلمانوں سے لڑتے رہے، خیبر میں ایک سیاہ فام چرواہا یہودی باشندوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا، اپنی سیاہ رنگت کی وجہ اس کا نام ''اسود راعی'' مشہور ہے، اسی محاصرے کے دوران وہ بکریاں چرانے کے لیے شہر سے باہر نکلا، بکریوں کا چراتے چراتے اسے سامنے مسلمانوں کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے نظر آیا، اس کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ وہ مسلمانوں اوران کے امیر لشکر ﷺ کو خود جا کر دیکھے، اوران سے ان کے دین ومذہب کے بارے میں معلومات کرے، چناں چہ وہ بکریوں کو ہنکاتا ہوا مسلمانوں کے پڑاؤ کے پاس پہنچ گیا، اور لوگوں سے پوچھنے لگا کہ آپ کے ''بادشاہ'' کا خیمہ کون سا ہے؟ مسلمانوں نے بتایا کہ ہمارے یہاں ''بادشاہ'' تو کوئی نہیں ہوتا، البتہ ہمارے قائد اللہ کے آخری پیغمبر ہیں، اور وہ اس معمولی سے خیمے میں مقیم ہیں، اگر آپ ان سے ملاقات کرنا چاہیں تو اندر چلے جائیں، چرواہے کو نہ اپنی آنکھوں پر اعتبار آیا نہ کانوں پر، اول تو جس خیمے کا پتہ بتایا جارہا تھا، اسے خیمے کے بجائے چھپر کہنا زیادہ موزوں تھا، اوراس کے لیے یہ تصور کرنا مشکل تھا کہ عرب اس ابھرتی ہوئی طاقت کا سربراہِ اعلیٰ اس چھپر میں رہ رہا ہوگا، دوسرے یہ بات اسے مذاق معلوم ہوتی تھی کہ ایک معمولی سے انجان چرواہے کو اس سربراہِ اعلیٰ سے اتنی آسانی کے ساتھ ملاقات کی دعوت دی جارہی ہے، لیکن بالآخر اس نے دیکھ لیا کہ جو بات کہی گئی تھی وہ مذاق نہیں حقیقت تھی، چناں چہ چند ہی لمحوں کے بعد وہ خواب کے سے عالم میں عرب ہی کے نہیں دونوں جہانوں کے سردار ﷺ کے سامنے کھڑا تھا، آں حضرت ﷺ سے اس چرواہے کی جو باتیں ہوئی، وہ

بڑی دلچسپ اور طویل ہیں جو سیرت کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں، (میری کتاب ''جہانِ دیدہ'' میں بھی اس کی تفصیل موجود ہے) لیکن مختصر یہ کہ آپ ﷺ کی زیارت کر کے اور آپ ﷺ کی باتیں سن کر اسے یوں محسوس ہوا جیسے سہالہا سال تک زندگی کی دھوپ میں جھلسنے کے بعد یکا یک اس انجانی منزل کی چھاؤں میسر آ گئی ہے، جس کی تلاش میں اس کی روح سرگرداں تھی، چناں چہ اس نے اس چھاؤں کی آغوش تک پہنچنے میں ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں اور مسلمان ہو گیا۔

مسلمان ہونے کے بعد اس چرواہے نے آں حضرت ﷺ سے آپ ﷺ کے ساتھ خیبر کے جہاد میں حصہ لینے کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے نہ صرف اجازت دی، بلکہ بشارت بھی دی، لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ جہاد میں شامل ہونے سے پہلے ایک کام ضروری ہے، اور وہ یہ کہ تمہارے ساتھ بکریوں کا جو ریوڑ ہے وہ تمہارے پاس ان یہودیوں کی امانت ہے، جہاد کی فضیلت حاصل کرنے سے پہلے تمہارا فرض یہ ہے کہ بکریاں مالکوں کو لوٹا کر آؤ، چناں چہ اسود راعی (رضی اللہ عنہ) یہ بکریاں لے کر گئے، اور انہیں قلعے کے اندر پہنچا کر واپس آئے، پھر جنگ میں شامل ہوئے، جنگ کے خاتمے پر جب آں حضرت ﷺ شہداء کی نعشوں کے معائنے کے لیے تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ شہداء کی قطار میں اس نومسلم چرواہے کی نعش بھی شامل ہے۔

یہ واقعہ اختصار کی کوشش کے باوجود قدرے طویل ہو گیا (پھر بھی اس کے بعض بڑے ایمان افروز حصے باقی رہ گئے) لیکن اس وقت اس واقعے کے اس آخری حصے کی طرف توجہ دلانا مقصود تھا جس میں آپ ﷺ نے بکریاں خیبر کے یہودی باشندوں کو واپس کرنے کا حکم دیا۔ خیبر کے ان یہودیوں کے ساتھ آپ ﷺ کی بالواسطہ نہیں براہِ راست جنگ تھی، یہ وہی یہودی تھے جن کی سازشوں نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کو مدینہ منورہ میں چین سے بیٹھنے نہیں دیا، جن کی معاندانہ کارروائیوں سے مسلمانوں کے دل چھلنی تھے، اور اب ان کے خلاف باقاعدہ اعلانِ جنگ کر کے ان کا محاصرہ کیا گیا تھا، کھلی کھلی جنگ کی اس حالت میں بلاشبہ ان کی جان اور مال کے خلاف

ہر کارروائی جائز تھی، دوسری طرف مسلمانوں کے پاس غذائی سامان کی قلت تھی، اور بکریوں کا یہ ریوڑ جو بہت آسانی سے ہاتھ آ گیا تھا مسلمانوں کے لشکر کی بہت سی ضروریات پوری کر سکتا تھا، لیکن اس حالت میں بھی آں حضرت ﷺ نے یہ گوارا نہیں فرمایا کہ ان بکریوں پر قبضہ کر لیا جائے، اسود راعی رضی اللہ عنہ یہ بکریاں یہودیوں سے ایک معاہدے کے تحت قلعے سے باہر لائے تھے، اور اگر انہیں واپس نہ کیا جاتا، تو معاہدے کی خلاف ورزی لازم آتی، جنگ کی حالت میں تو یہ جائز ہے کہ کھلم کھلا طاقت استعمال کر کے دشمن کے مال پر قبضہ کر لیا جائے، لیکن جھوٹا معاہدہ کر کے دھوکہ دینے اور معاہدے کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں، آن حضرت ﷺ نے بکریاں لوٹانے کا حکم دے کر شریعت کے اس حکم کو واضح فرمایا جو رہتی دنیا تک مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

جو مسلمان کسی غیر مسلم ملک میں رہتے ہیں، خواہ وہاں کی شہریت اختیار کر کے یا عارضی اقامت کے طور پر، وہ وہاں کی حکومت سے ایک باقاعدہ معاہدے کے تحت رہتے ہیں، اس معاہدے کی پاسداری ان کے ذمے شرعاً لازم ہے، اور اس کی خلاف روزی شرعی اعتبار سے سخت گناہ ہے، جہاد کے ذریعے کفر اور اسلام دشمنی کی شوکت توڑنے کا جذبہ اپنی جگہ بڑا قابلِ تعریف ہے، لیکن اس کے لیے اپنا کردار اور اپنے بازو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، عہد شکنی، چوری اور دھوکہ فریب کے ذریعہ دوسرے مذہب والوں کو زک پہونچانا کفر کا شیوہ ہے، اسلام اور مسلمانوں کا نہیں، اسلام نے جہاں جہاد کی فضیلت بیان کی ہے، وہاں اس کے مفصل احکام اور آداب بھی بتائے ہیں، بلکہ دنیا کی تاریخ میں اسلام نے سب سے پہلے جنگ کو ان قواعد وآداب کا پابند بنایا جو شرافت اور بہادری کا حسین امتزاج ہیں، ورنہ اس سے پہلے جنگ، قتل و غارت گری کا دوسرا نام تھا، جو کسی قسم کی حدود و قیود کی پابند نہیں تھی، اسی طرح یہ اسلام ہی تھا جس نے بین الاقوامی تعلقات کے مفصل احکام وضع کئے جو امن اور جنگ دونوں حالتوں پر حاوی ہیں اگر ہم ان احکام وآداب کو نظر انداز کر کے من مانی کارروائیاں کریں گے تو ایک طرف شریعت کی خلاف ورزی کا

شدید گناہ اپنے سر لیں گے، دوسرے اپنے طرزِ عمل کے ذریعہ لوگوں کو اسلام اور مسلمانوں سے متنفر کر کے اسلام کی پیش قدمی میں رکاوٹ ڈالنے کے مجرم ہوں گے۔

جو مسلمان بھائی اپنے روزگار کے حصول یا کسی اور جائز مقصد کے لیے غیر مسلم ملکوں میں جا کر آباد ہوئے ہیں، انہیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ ان کا اچھا یا برا طرزِ عمل ان کی ذات کی حد تک محدود نہیں، ان ملکوں کے لوگ انہیں اسلام کا نمائندہ سمجھتے ہیں، اور ان کے کردار کو دیکھ کر ان کے دین اور ان کے وطن کے بارے میں اچھی یا بری رائے قائم کرتے ہیں، اسلام کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ دنیا کے بیشتر حصوں میں اسلام کی نشر واشاعت زیادہ تر تاجروں کے ذریعے ہوئی جو ان علاقوں میں تجارت اور کسب معاش کے لیے گئے تھے، لیکن ان کا پاکیزہ کردار، ان کی سچائی اور ان کی امانت و دیانت مجسم تبلیغ ثابت ہوئی، انہوں نے اپنی سیرت کی مقناطیسی طاقت سے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف کھینچا، اور بالآخر اسلام کی روشنی سے پورے خطے کو جگمگا دیا۔

اگر ہم غیر مسلموں کے سامنے جھوٹ، عہد شکنی، دھوکہ فریب اور خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں تو صرف اپنی ذات پر نہیں، اپنے دین پر، اپنی قوم پر اور اپنے وطن پر داغ لگاتے ہیں جسے مٹانا آسان نہیں، اور قرآن کریم کی یہ رونگٹے کھڑے کر دینے والی وعید اس طرز عمل پر صادق آتی ہے کہ ''جو لوگ اللہ کے راستے سے دوسروں کو روکتے ہیں انہیں ایک دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو''۔

پھر اس طرزِ عمل پر شرمندہ ہونے کے بجائے اس کی تاویلیں کر کے اسے جائز ثابت کرنے کی کوشش ''عذرِ گناہ بدتر از گناہ'' کے مترادف ہے۔

جو سوالات مکتوب نگار نے کیے ہیں ان کا جواب بالکل واضح ہے اس طرح جھوٹ اور دھوکے سے حاصل کی ہوئی رقمیں یقیناً حرام ہیں، اور اس حرام پیسے کو حج یا مسجد اور مدرسے وغیرہ میں لگانا بھی ناجائز ہے، اور جس شخص کو معلوم ہو کہ یہ رقم حرام طریقے سے حاصل کی گئی ہے، اس کے لیے اس کا قبول کرنا بھی جائز نہیں۔ ☆☆☆

# فقہ و فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم

## ’’دوسرے کی رقم استعمال نہ کی جائے‘‘ اس شرط پر مسجد کی تعمیر کرنے کے لیے دی جانے والی رقم ناکافی ہو تو کیا کیا جائے؟

**سوال:** ایک بھائی نے ایک دینی ادارے میں - جہاں مسجد کی ضرورت تھی- مسجد تعمیر کرانے کا ارادہ کیا، اور ایک پارٹی کو انہوں نے ڈیڑھ لاکھ روپے دے کر کہا کہ اس رقم سے مسجد تعمیر کرائیے، اور اس مسجد کے تعمیری کام میں کسی دوسرے شخص کی رقم نہیں لگنی چاہیے۔ ان صاحب سے کہا گیا کہ اس رقم سے مسجد تعمیر نہیں ہوسکتی، تو انہوں نے ایک لاکھ روپے مزید دینے کا وعدہ کیا، مگر پلان اور اسٹیٹمینٹ تیار کرنے پر معلوم ہوا کہ ادارے کی ضرورت کے مطابق اب بھی اس رقم سے مسجد تعمیر نہیں ہوسکتی، تو اس رقم کا کیا کیا جائے؟

**الجواب:** حامداً و مصلیاً و مسلماً:

ان صاحب کو بتایا جائے کہ آپ کی دی ہوئی رقم سے ادارے کی ضرورت کے مطابق مسجد تیار نہیں ہوگی، اگر وہ بقیہ رقم بھی دے دیں تو اسے قبول کر کے ضرورت کے مطابق مسجد بنادی جائے، ورنہ ادارے کے ذمہ دار دوسرے لوگوں کی رقم لے کر اپنی ضرورت کے مطابق مسجد بناسکتے ہیں۔ جن صاحب نے یہ کہا کہ ’’دوسرے کی رقم نہ لگائی جائے‘‘ ان کی یہ شرط درست نہیں، البتہ اگر ان صاحب نے پارٹی سے یہ کہا ہو کہ ’’دوسرے کی رقم لگانے کی صورت میں میری رقم استعمال نہ کی جائے‘‘، تو اس صورت میں اس پارٹی کی ذمہ داری ہے کہ اگر دوسرے کی رقم لگانے کی ضرورت پیش آئے تو ان صاحب کی رقم استعمال نہ کرے، اس لیے کہ اس صورت میں رقم لگانے کی وکالت باقی نہیں رہتی، اگر وہ پارٹی رقم لگائے گی تو اس کی ضامن ہوگی۔ فقط واللہ

تعالیٰ أعلم۔

## مسجد میں ڈاڑھی میں کنگھا کرنا

سوال: بعض حضرات جماعت خانے میں ڈاڑھی میں کنگھا کرتے ہیں، ایک صاحب کہتے ہیں کہ جماعت خانے میں ڈاڑھی میں کنگھا کرنا منع ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟ براہِ کرم بتلائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

مسجد میں ڈاڑھی میں کنگھا کرنے سے ڈاڑھی کے بال مسجد میں گرنے کا امکان ہے، اس سے بچنا چاہئے، البتہ معتکف کے لیے اجازت ہے، لیکن اسے بھی چاہئے کہ وہ اس بات کا خیال رکھے کہ بال وغیرہ نہ گریں۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

## مسجد میں دنیوی باتیں کرنے پر سخت وعید

سوال: میں ایک گاؤں گیا تھا، وہاں عشاء کی نماز کے بعد جماعت خانے میں تعلیم کے بعد مسجد وار جماعت بیٹھتی ہے، بعض ذمہ دار حضرات کے علاوہ دیگر حضرات بات چیت میں لگ جاتے ہیں، اور بلند آواز سے باتیں کرتے ہوئے بعض مرتبہ قہقہے بھی لگاتے ہیں۔ وہاں مقیم مولانا صاحب نے کہا کہ تعلیم کے بعد مسجد وار جماعت باہر بیٹھے تو بہتر ہے، یا تعلیم بھی باہر کی جائے اور تعلیم کے بعد مسجد وار جماعت بھی وہیں بیٹھے، تاکہ ثواب کے بہ جائے گناہ نہ ہو، تو تبلیغ کے ذمہ دار اس کے لیے آمادہ نہیں کہ ہم دین کی باتیں کرتے ہیں، تو اس میں تھوڑی بات چیت اور تھوڑی ہنسی مذاق بھی ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ شریعت کی روشنی میں براہ کرم یہ بتلائیں کہ جماعت خانے میں کیا ہونا چاہئے اور کیا نہیں ہونا چاہئے؟ ذرا مفصل بتلائیں تاکہ ہماری سمجھ میں آ جائے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

مسجد اللہ تعالی کا گھر ہے، اس کا ادب واحترام درحقیقت اللہ تعالی کا ادب واحترام ہے، مسجد کی بے ادبی اور بے حرمتی درحقیقت اللہ تعالی کی بے ادبی اور بے حرمتی کے حکم میں ہے۔ مسجد میں تعلیم، تبلیغ، تلاوت، ذکر، نوافل وغیرہ کرنا بڑی نیکی، اللہ تعالی کی رضامندی اور قرب کا ذریعہ ہے، جب انسان کوئی کام اللہ تعالی کی رضامندی اور قرب حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے، تو اس کا ازلی دشمن شیطان اس کے کام میں کوئی ایسی چیز ملانے کی بے حد کوشش کرتا ہے، جس سے وہ کام اللہ تعالی کی رضامندی کے بہ جائے ناراضگی کا سبب بن جائے، لہذا کسی بھی نیک کام کرنے والے کو مکمل طور پر چوکنّا رہنے کی ضرورت ہے، تاکہ شیطان کو اپنا داؤ آزمانے کا موقع نہ ملے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی انسان مسجد میں دنیوی باتیں شروع کرتا ہے، تو فرشتے اسے کہتے ہیں کہ ''اے اللہ کے ولی! چپ ہوجا''، اگر وہ خاموش نہیں ہوتا اور گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: ''اے اللہ کے دشمن! خاموش ہوجا''، اگر اب بھی دنیوی باتوں میں مشغول رہتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: ''تجھ پر اللہ کی لعنت! خاموش ہوجا''۔ (المدخل ۳/۵۵)

کتنی سخت وعید ہے ایک مسلمان کے لیے! آپ ﷺ کا مذکورہ بالا ارشاد مسجد میں دنیوی باتوں سے روکنے کے لیے کافی ہے۔ امام صاحب نے جب ایک کوتاہی کی طرف توجہ دلائی، تو ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی غلطی کے ازالے کے بہ جائے سوال میں مذکور طریقہ اختیار کرنا ایک مسلمان اور دینی ذمہ دار شخص کو زیب نہیں دیتا۔ فقط واللہ تعالی أعلم۔

## مسجد کا بلیک بورڈ ختم کرنے والے کے لیے شرعی حکم

سوال: ہماری مسجد میں چار بڑے بلیک بورڈ بنائے گئے تھے، ایک شخص نے ٹرسٹیوں کی

اجازت کے بغیر تین بلیک بورڈ کو بالکل ہی ختم کر دیا، حتی کہ نام ونشان بھی نہیں چھوڑا۔ بلیک بورڈ مسجد کی امانت تھی، بڑی محنت وکوشش سے بنائے گئے تھے، ان کا استعمال اچھے کاموں کے لیے ہی ہوتا تھا، لہذا آپ ہماری صحیح رہنمائی فرمائیں کہ بلیک بورڈ مٹانے والا شخص گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ تمام بورڈ اچھی حالت میں تھے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

مسجد کے بلیک بورڈ مصلی حضرات تک دینی معلومات پہنچانے اور مسجد سے متعلقہ امور سے واقف کرانے کے لیے ہوتے ہیں، جو موجودہ زمانے کی ایک ضرورت ہے۔ بلیک بورڈ بنانے کے لیے مسجد ہی کی رقم خرچ ہوئی تھی، اس کو ختم کرنے والا شخص شرعاً گنہ گار ہونے کے ساتھ ساتھ مسجد کو جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کا بھی ذمہ دار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

## مسجد میں چندے کا اعلان کرنے سے روکنا

سوال: جتنے بھی سفراء چندے کے لیے آتے ہیں ان میں سے بعض دور دراز سے آتے ہیں، دیہات کی مسجد کے متولی اور بعض مصلی انہیں چندے کا اعلان کرنے سے منع کرتے ہیں، بعض مساجد میں تو یہ اعلان لکھ دیا جاتا ہے کہ مسجد میں کسی سفیر کو چندے کا اعلان کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ میں یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ چندے کے اعلان کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اس لیے کہ یہ تو کارِ خیر سے روکنے کے مثل ہے۔

آپ سے عاجزانہ درخواست ہے کہ آپ اس مسئلے کا مفصل جواب فتاوی کی روشنی میں بتلائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

دینی ضرورت کے لیے مسجد میں چندہ کرنا مرحبا اور سبحان اللہ کہہ کر درست ہے، مگر

نمازیوں کی نماز میں خلل اور تشویش نہ ہونے پائے (فتاویٰ محمودیہ۱۵/۲۷۳) اگر آنے والے سفراء مختصراً اس طرح اعلان کریں کہ کسی کی نماز میں خلل نہ ہو، تو انہیں نہ روکا جائے۔ البتہ اگر مسجد کی شرعی حد سے باہر کسی بورڈ پر لکھ کر یا صحن میں اعلان کیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔

متولی یا بعض مصلی کا اعلان سے روکنے کا مقصد مسجد کا ادب واحترام ہو تو درست ہے۔ اگر دوسرا کوئی مقصد ہو تو اس کی تفصیل پوچھ لی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

## روزانہ مسجد میں سونا مکروہ ہے

سوال: ہمارے محلے کی مسجد میں محلے ہی کے ایک حافظ صاحب- جو ایک مکتب میں پڑھاتے ہیں، ان کا مکان بھی ہے- روزانہ صبح وشام مدرسہ پڑھا کر مسجد کی دوسری یا تیسری صف میں چادر وغیرہ بچھائے بغیر سونے کے عادی ہیں۔ ہم نے علماء ومفتیانِ کرام سے سنا ہے کہ مسجد میں محلے کے آدمی کا عادت بنا کر سونا منع ہے۔ اس شخص کی یہ حرکت کیسی ہے؟ مسجد میں سوسکتا ہے؟ سونا کیسا ہے؟ مکروہِ تحریمی، حرام یا ناجائز؟

الجواب: **حامداً و مصلیاً و مسلماً:**

مسجد نماز کی جگہ ہے، سونے اور آرام کرنے کی جگہ نہیں ہے، جو مسافر پردیسی ہو یا کوئی معتکف ہو اس کے لیے گنجائش ہے، لیکن صورتِ مسئولہ میں ان کا گھر محلے میں ہونے کے باوجود مسجد میں روزانہ سونا مکروہ ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔ ''**وقیل: لابأس للغریب ان ینام فیہ، والنوم فیہ لغیر المعتکف مکروہ**'' (کبیری، فتاویٰ محمودیہ کراچی ۱۵/ ۲۳۲، ۲۳۳) فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

## مسجد میں کون سے کام کئے جاسکتے ہیں

سوال: مسجد اللہ کا گھر ہے، نماز، ذکرِ الٰہی، قرآن شریف پڑھنے اور دیگر نفلی عبادات کا

مقام ہے، علماء کرام کی تقریر جماعت خانے میں ہوتی ہے، اس کے علاوہ مسجد کے جماعت خانے میں دیگر اعمال کرنا شرعاً کیسا ہے؟ بعض حضرات جماعت خانے میں کپڑے بدلنا، ناشتہ کرنا، سونا وغیرہ امور انجام دیتے ہیں، شرعاً یہ کام کے جا سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

مسجد میں کھانا کھانا اور سونا جائز نہیں، لیکن مسافر اور معتکف کے لیے جائز ہے، ان کے علاوہ کسی کو اگر ضرورت ہو، تو وہ اعتکاف کی نیت سے مسجد میں داخل ہو، اور کچھ عبادت کرے، پھر اپنے کھانے اور سونے کی ضرورت پوری کرے۔

مسجد میں عقد نکاح مستحب ہے، نکاح کے بعد چھوہارے اچھالے نہ جائیں، بلکہ لوگوں کے سامنے رکھ دیے جائیں۔

مسجد میں ٹہلنا اور ورزش کرنا جائز نہیں ہے۔

مسجد میں اشعار پڑھنا جائز نہیں، البتہ اگر اشعار نصیحت و وعظ کے ہوں یا نبی ﷺ کی مدح ونعت ہو یا حقانیت اسلام کے اشعار ہوں، تو ان کو مسجد میں پڑھنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ نمازیوں اور ذکر و تلاوت کرنے والوں کو تشویش نہ ہو۔

مسجد میں خرید و فروخت کرنا ناجائز ہے، البتہ معتکف کے لیے بقدرِ حاجت خرید و فروخت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ فروخت کا سامان مسجد میں داخل نہ کرے۔

اگر دنیوی باتیں کرنے ہی کی غرض سے مسجد میں جائے اور دنیا کی باتیں کرے، تو بالکل جائز نہیں، اگرچہ جائز اور مباح باتیں ہوں۔

اور اگر صرف باتیں کرنے کی غرض سے مسجد میں نہ بیٹھے، بلکہ عبادت مثلاً: نماز اور ذکر کے لیے مسجد میں بیٹھا ہو، پھر کوئی دنیا کی جائز بات کر لی، جس میں معصیت اور گناہ کی بات نہ ہو تو

گنجائش ہے، لیکن بہ قدرِ ضرورت ہوں۔

مسجد میں دستکاری کرنا، مثلاً کپڑا سینا، ٹوپی بننا جائز نہیں ہے۔

مسجد میں سوال کرنا مطلقاً منع ہے، اور کسی کے سوال پر اس کو دینا بعض کے نزدیک علی الاطلاق ناجائز ہے۔

مسجد میں گم شدہ چیز کے لیے اعلان کرنا ناجائز ہے۔ (مسائل بہشتی زیور ا/۶۰۰، ۶۰۱) فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

## مسجد کے منارے پر رنگین بلب

سوال: مسجد کے منارے پر رات کو رنگین بلب روشن کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اگر کسی ضرورت کی وجہ سے بلب روشن کیا جائے، تو کوئی حرج نہیں۔ اور اگر محض نمائش کی خاطر ہو تو مسجد پر لائٹ بل چڑھانا غلط ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

☆☆☆

# انسانی سماج اور ضرورت تعلیم

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

## انسانی سماج

سماج انسانی افراد کے اس مجموعہ کا نام ہے جو آپس میں کسی ربط کی بنیاد پر زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ایک لسانی وحدت کے ساتھ عمل پیرا ہوتا ہے۔ سماج کا قیام ایک فطری ضرورت ہے جس سے مفر ممکن نہیں کیوں کہ ایک انسان تنہا اور بلا کسی دوسرے کی مدد اور تعاون کی راحت اور خوبی کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ اس کو اپنی زندگی کو آسان اور قابلِ عمل بنانے کے لیے آپس میں ایک دوسرے کے تعاون کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً کھانے ہی کو لے لیجئے۔ یہ روٹی جو ہم کھاتے ہیں، اس کے روٹی بننے کے لیے کتنے ہاتھوں اور کتنے انسانوں کی محنت اور تعاون درکار ہوتا ہے۔ زمین جوتنے والا کسان اور ہل بنانے والا انسان جس سے کسان کھیت جوتتا ہے، پھر غلہ کو آٹا بنانے کے لیے سل یا چکی بنانے والا انسان، پھر اس کو بازار میں لانے اور فروخت کرنے والا انسان، پھر لکڑی اور آگ مہیا کرنے والا انسان، ان سب کے تعاون وتعامل کے بعد کھانے والے انسان کی روٹی تیار ہوتی ہے۔ اسی طرح لباس، مکان اور دیگر ضروریات زندگی جس کی فہرست انسان کی زندگی کی وسعت اور تنگی کے لحاظ سے طویل یا مختصر ہوتی ہے، اسی طرح کے واسطوں در واسطوں کی محتاج ہوتی ہے۔ اور اس سلسلے میں آپس کے تعاون و یک جہتی سے انسانی معاشرہ یا سماج بنتا ہے، جو زندگی کو مفید طریقوں کے مطابق ڈھالتا ہے، اور اپنے اردگرد کی سہولت اور وسائل سے حسبِ ضرورت فائدہ اٹھاتا ہے۔

## عملِ تعلیم

پھر انسان اپنی زندگی کے تعاون واستفادہ نیز مطالعہ وتجربہ سے حاصل کردہ فوائد کو اپنی آنے والی نسلوں کے لیے باقی رکھنا چاہتا ہے، تاکہ محنت وحصول تجربہ کے اس حصہ سے وہ مستغنی ہوسکیں جو انجام پاچکا ہے اور حصول تجربہ اور معلومات کے عمل کو اس کے آگے انجام دے سکیں، اسی کے لیے انسانوں میں سکھانے اور تعلیم دینے کا عمل اختیار کیا جاتا ہے، جو درحقیقت تربیت وپرداخت کا ایک عمل ہے، جو انسانی افراد کے ساتھ انسانی افراد ایک متعین رجحان وذوق کے لحاظ سے انجام دیتے ہیں۔

## بے ضابطہ طریقہ سے تعلیم

ہم کو تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ معاشرہ کے معاشرہ بننے کے بعد ہی سے سیکھنے سکھانے کا یہ عمل شروع ہوجاتا ہے، چناں چہ سلیقہ مندوں، تجربہ کاروں اور عمل پیرا لوگوں کو ان کے معاشرہ کے کم عمر اور ناواقف لوگ دیکھ دیکھ کر ان کی سلیقہ مندی اور تجربہ کاری اور عملی اندازوں کا کچھ نہ کچھ حصہ کسی نہ کسی حد تک خود بہ خود یا بالارادہ حاصل کرلیا کرتے ہیں، اس اخذ واستفادہ کے لیے صرف عام عقلِ انسانی کا استعمال کافی ہوجاتا ہے اور یہ انسانی عقل ہمہ وقت انسان کے ساتھ رہتی اور کام کرتی رہتی ہے۔ گھر میں بچے اپنی ماں کو اپنے باپ کو مختلف کام اور انداز اختیار کرتے دیکھتے ہیں، نیز ان کے والدین یا بڑے اپنے چھوٹوں اور ناواقف لوگوں کو بعض ایسے پہلوؤں کی طرف جو مخفی محسوس ہوتے ہیں متوجہ کرتے ہیں اور اس طرح خود بخود سیکھنے سکھانے کا عمل جاری ہوجاتا ہے، اور یہی دراصل بے ضابطہ تعلیم کی ایک شکل ہے۔

## تعلیم بے ضابطہ سے باضابطہ کیسے بنی

پھر یہی بے ضابطہ تعلیمی طریقہ باضابطہ تعلیم کی اساس اور بنیاد بنتا ہے اور وہ اس طرح کہ

معاشرہ انسانی میں ہنر اور کام جیسے جیسے وسیع ہوتے جاتے ہیں ویسے ویسے ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ نوعمر اور ناواقفوں کو بتانے اور سکھانے کی طرف توجہ کی جائے اور خصوصی رہنمائی کی جائے۔ اسی سے باضابطہ تعلیم کا نظام وجود میں آیا ہے۔

## باضابطہ تعلیم کا آغاز

باضابطہ تعلیم کی ابتداءکو اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ تعلیم کی باضابطہ شکل کا آغاز عبادت گاہوں، مسجدوں اور مذہبی حلقوں سے ہوا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا تھا کہ جب لکھنے پڑھنے کے رواج کے ہونے نہ ہونے سے قطع نظر عبادت کے نگرانوں، دینی واخلاقی کام کے کوشاں اور دعوت واصلاح کے حاملین اپنے اپنے معاشروں میں دینی اور اصلاحی معلومات وتعلیمات پیش کرتے اور اپنے اپنے معاشروں کو ان امور سے واقف کراتے تھے۔ ان کی مجلسوں کو خواہ مدرسہ کی چٹائی، اسکول کی تپائی یا نصاب ونظام تعلیم کو بندھا ٹکا انتظام نہ ملا ہو، لیکن بندھے ٹکے نظام کے تحت مذکورہ بالا مقاصد کے سلسلے میں جو نتائج برآمد ہو سکتے تھے اس سے بہتر یا اس کے مساوی ضرور حاصل ہوتے رہے، پھر اسی تربیت ووعظ کے کام نے ترتیب وتعلیم کی شکل اختیار کی، تعلیم کے گرد تعلیمی حلقے بننے لگے، اور کتابوں کیمد د سے معلمین باضابطہ طریقہ سے اس کام کو انجام دینے اور اس کی بتدریج بہتر سے بہتر صورتیں اختیار کرتے چلے گئے۔ مسلمانوں کے یہاں اس کی ابتداء ''صفہ نبوی'' سے ہوئی، پھر دینی تعلیم کے مرکزوں سے اس کی توسیع وترقی ہوئی، مراکش کے فاس شہر میں جامع القرویین، اور تونس میں جامع زیتونہ، اور قاہرہ میں جامع ازہر، جن میں سے ہر ایک کی تاریخ ہزار سال سے زیادہ ہے، سب مسجدیں ہیں جن میں دینی تعلیم شروع کی گئی اور اسی سے یہ عظیم تاریخی یونیورسٹیاں بنیں۔ انگلستاں میں آکسفورڈ، کیمبرج، فرانس میں سوربون یونیورسٹی سب گرجوں کے مدرسوں میں شروع ہوئے،

اورآج وہ عالمی سطح کی یونیورسٹیاں ہیں۔

## قرآن وحدیث سے تعلیم کی ہمت افزائی

مسلمانوں کے لیے تو اخلاق وشرافت انسانی اور روحانیت اور مذہبی معلومات کے مضامین پر قرآن مجید سے زیادہ اہمیت اور اثر پذیری رکھنے والی کوئی کتاب نہیں، اس میں جگہ جگہ علم کی تعریف آئی ہے اور علم وتعلیم کا تذکرہ تعریفی انداز سے کیا گیا ہے فرمایا: "**انما يخشى الله من عباده العلمؤا، ان الله عزيز غفور**" یعنی اللہ سے اس کے بندوں میں سے اصحاب علم ہی ڈرتے ہیں، بے شک اللہ غالب ہے اور مغفرت کرنے والا ہے۔

اور حضور ﷺ کو پہلی وحی کی ابتداء "اقرأ" کے لفظ سے کی گئی۔ پھر نبی کریم ﷺ کی احادیث شریفہ کی مدد سے مسلمان طالبین علم کو تعلیمی سرمایہ خوب خوب ملا، اور طالب علم کی ہمت افزائی بھی فرمائی گئی۔ آپ ﷺ کی مسجد میں اسلام کا پہلا مدرسہ یعنی "صفہ" کی درسگاہ بنی، جس سے عالم اسلام کے تمام مدرسے اور جامعات کا سلسلہ ملتا ہے۔

## علم کے اسلامی معنی

حضور ﷺ نے علم کی ترغیب واہمیت میں یہ فرمایا کہ "**ان الملائكة لتضع اجنحتها لطالب العلم رضابما يطلب**" لیکن جس طرح ہر لفظ کو اس کے خاص دائرہ استعمال کے اندر رکھتے ہوئے متعین کیا جاتا ہے مثلاً ایک کسان جب معلومات کا لفظ استعمال کرے گا تو اس کے دائرہ میں زراعت وزمین سے متعلق معلومات مانی جائیں گی۔ اسی طرح مذکورہ بالا حدیث میں علم سے مراد وہ علم سمجھا جائے گا جو قرآن وحدیث کی رہنمائی اور مدد سے حاصل ہوتا ہے۔

لیکن اس سے علم کے حصول اور اس کی طرف توجہ دہی کو اس مخصوص دائرہ کے اندر بند کرنا مقصود نہیں، کیوں کہ حضور ﷺ نے علم کے دوسرے ان دائروں کو جو انسانی زندگی سے تعلق رکھتے

ہیں بلکہ اس کے لیے ایک حد تک ضروری اور قابل توجہ واہتمام ہیں، قابل استفادہ قرار دیا ہے۔ مثلاً کھجور کی تأبیر کے سلسلے میں آپ نے جب صحابہ کے زراعتی تجربہ کو صحیح پایا تو فرمایا: ’’ہذہ من امور دنیاکم‘‘ چناں چہ امور دنیا ہمارے لیے وہ اصطلاح ہے جس کے تحت تمام علوم دنیاوی آجاتے ہیں اور ہم کو اجازت ہے کہ ان کے سلسلے میں ہم انسانی تجربات سے فائدہ اٹھائیں، اوران تجربات ومعلومات کی بنیاد پر ترقی دیں، اورانسان کے دنیاوی فلاح کے لیے ان کو اختیار واستعمال کریں۔

بکثرت مذہبی پیشواؤں، قومی رہنماؤں، مربیوں اور معلموں نے تعلیم وتربیت کو اپنا موضوع بنایا ہے۔قرآن وحدیث میں تو اس کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ ’’بلغوا عنی ولو آیة‘‘ کہ میری طرف سے بات پہنچادو خواہ وہ صرف ایک ہی آیت ہو۔

## ہر معاشرہ میں تعلیم کی فکر ہوتی ہے

انسان نے اپنے سماج ومعاشرہ کی بقا اور تحسین وترقی کے لیے باقاعدہ تعلیم کے ذرائع تقریباً ہر زمانہ میں اختیار کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی صلاحیت علمی کے مطابق ان ذرائع کو مبہم وبے قائدہ شکلوں سے متعین اور باقاعدہ شکلوں میں منتقل کیا ہے اور اپنے تعلیمی عمل کو بہتر طریقہ سے انجام دے کر سماج کی زندگی کو ترقی دی ہے، اور جن معاشروں اور سماجوں نے تعلیم کو بے توجہی کا شکار ہونے دیا، وہ خاطر خواہ اور نمایاں فائدہ اٹھانے اور ترقی وطاقت کی منزلوں سے قریب تر ہونے میں کامیاب نہ ہوسکے۔

موجودہ ترقی یافتہ یورپ وامریکہ کی ترقی وطاقت کی نشأۃ ثانیہ جب شروع ہوئی جب اس نے علم کی طرف توجہ اختیار کی یورپ نے علم وتعلیم کی سرپرستی اور توجہ مسلمانوں کے اندلسی تمدن

سے لی۔جس میں مسلمانوں نے اپنے علوم وتجربات کے ساتھ قدیم یورپ کے علم وتجربات کا بھی ایک حصہ تھا۔جس کو مسلمانوں نے اپنے دنیاوی علوم کا ایک جز بنایا اوران سے استفادہ کیا تھا۔ یورپ نے مسلمانوں سے اخذ کئے ہوئے اصول ومعلومات کو بنیاد بنا کر اس میں نئے تجربات کئے اور دنیاوی اور مادی علم وتعلیم کو آگے بڑھایا۔حتی کہ موجودہ مادی دنیا کے استاد کا درجہ حاصل کرلیا۔اور یہ افسوس ناک اتفاق ہے کہ یورپ کی ترقی کا زمانہ جو سولہویں صدی عیسوی سے شروع ہوا مسلمانوں کی غفلت اور انحطاط کا زمانہ رہا جس کی وجہ سے دنیا کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر یورپ کی قوموں کے ہاتھ میں منتقل ہوئی۔ورنہ موجودہ مغربی تمدن سے قبل مسلمانوں کا تمدن ہی وہ تمدن تھا جسے نے دنیا کے بیشتر آباد حصوں میں گہرا اثر ڈالا تھا اور مسلمان علماء فلاسفہ نے استاتذہ وقت کا کردار انجام دیا تھا۔

## مسلمانوں میں عملِ تعلیم

مسلمانوں کے تعلیمی عمل کی ابتداء اسلام کی ابتداء کے ساتھ ہوئی تھی۔ان کو قرآن مجید کی صورت میں معلم اعظم ملا تھا جس نے نہ صرف ان کو بلکہ ساری انسانیت کو تہذیب وتمن علم وانسانیت کے صالح اور صحیح اصول بتائے اوران پر عمل کرنے کی راہیں بھی تجویز کیں۔ پھر مسلمانوں نے قرآنی علم حاصل کرنے کے بعد دیگر قوموں کے حاصل کردہ معلومات اوران کے علوم کا مطالعہ بھی کیا اور ان کے علماء فلاسفہ کے خیالات کا جائزہ لیا اوران سے حسب ضرورت فائدہ اٹھایا پھر اس میں بیش قیمت کا اضافہ کیا جس سے وہ نئی شکل میں ڈھل گئے۔

یورپ بعد میں بیدار ہوا چناں چہ اس نے اپنے مغربی علم وتمدن کی بنیاد مسلمانوں کے علم وتمدن پر رکھی۔کیوں کہ مسلمان ہی اس کے قریبی قابل تقلید پیش رو تھے۔لیکن قومی ووطنی عصبیت کی وجہ سے اپنا رشتہ تاریخ قدیم کے مغربی تمدنوں سے جوڑا اور روح اور مزاج انہی سے اخذ

کرنے کی کوشش کی۔اس سلسلے میں قدیم رومی تہذیب اور یونانی فلسفے پر اپنی اخلاقی وتہذیبی زندگی کی بنیاد رکھی۔

## یورپ سے استفادہ مغربی علم سے استفادہ

زندگی کے تجرباتی علوم میں ترقی اور کامیابی سے یورپ کو دنیاوی زندگی میں طاقت ملی اور اس کو مادی زندگی کے متعدد میدانوں میں غلبہ حاصل ہوا اس کی وجہ سے دیگر قوموں کو جن میں مسلمان بھی ہیں ان علوم تجربات اور کامیابیوں کا جائزہ لینے اور قابل استفادہ گوشوں میں استفادہ کرنے کی ضرورت پیش آئی خاص طور پر اس لیے کہ ہم مسلمانوں کی آخری صدیاں، انحطاط اور علمی جمود میں گذریں جس کی وجہ سے ہم ایک طرف دین اخلاق اور ان کی صفات اور اعلیٰ نظریات میں اپنے اسلاف کے علوم وتجربات سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت مند ہیں تو دوسری طرف دنیاوی ترقی وتمدن کے لیے ان انکشافات وتحقیقات سے فائدہ اٹھانے کی بھی ضرورت رکھتیہیں جو ہمارے اسلاف کی کوششوں کے بعد ظہور میں آئیں اور جو انسانی زندگی کے لیے ضروری ہیں۔اس طرح ہمارے سامنے قابل استفادہ دو (۲) دور ہیں ایک ہمارے اسلاف کا اور ایک اغیار کا اور **الحکمة ضالة المومن این وجدها فهو احق بها** کے اصول پر ہم کو سب سے فائدہ اٹھانا ہے چناں چہ وسائل وطریقہائے تعلیم میں بھی جو مفید اور صالح اجزاء یورپ کے ماہرین علم تعلیم کے تجربے میں آئے ہیں ان سے بھی ہم کو فائدہ اٹھانا ہے۔

## تعلیم اور اجتماعی زندگی کا ایک دوسرے پر اثر

تعلیم کا زندگی سے گہرا تعلق ہے دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے اخذ واستفادہ کرتے ہیں۔تعلیم کے طریقے اور مضامین انہیں ذہنوں کی

پیداوار یا نتیجۂ فکر ہوتے ہیں۔ جو معاشرہ کے مختلف طبقات سے ابھرتے ہیں اوراپنے اپنے خیالات،مزاج اورافکار سے علیحدہ نہیں ہوسکتے، وہ جوبھی نظام بناتے یا چلاتے ہیں اس میں ان کے اپنے ماحول سے اخذ کئے ہوئے احساسات وتصورات شعوری ولاشعوری طور پر اثر انداز ہوتے ہیں اس طرح پر ماحول میں جن طبقات کا غلبہ اور جن خیالات کا رواج ہوتا ہے وہ شعوری ولاشعوری طور پر اس ماحول کے نظام کے مقاصد ومضامین تعلیم میں سرایت کرتے ہیں۔

اسی طرح تعلیم بھی زندگی پر اثر ڈالتی ہے،اس کا اثر بھی زیادہ اور ہمہ گیر ہوتا ہے۔ یوں تو باضابطہ تعلیم اگرچہ معاشرہ کے ایک خاص طبقہ کو دی جاتی ہے یعنی کم عمر طبقہ اور بچوں کو لیکن نتیجۃً وہ پورے معاشرہ پر محیط ہو جاتی ہے۔

اس کی وضاحت اس طور پر کی جاسکتی ہے کہ ہم جس نسل کو تعلیم دیتے یا دلواتے ہیں یہ نسل سے زیادہ سے زیادہ ۲۰/سال کی مدت میں معاشرۃ میں اپنی کمزورترین وبےاثر سطح سے نکل کر معاشرہ کی موثر ترین سطح پر آجاتی ہے۔ وہ سماج کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے یعنی جوان طبقہ جو سماج کی ہر قوت واہمیت کی ذمہ داری کا حال بنتا ہے۔

اکبرالہ آبادی نے اسی لحاظ سے تعلیم کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ شعر کہا تھا ؎

وہ قتل سے بچوں کے یوں بد نام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

یعنی اگر وہ بنی اسرائیل کے شیر خوار بچوں کو قتل کرنے کے بجائے ان کی تعلیم کا بندوبست کردیتا جو قبطی اور فرعونی ذہن کے اساتذہ دیتے اور فرعونی ذہن کا نظام اور انتظام ہوتا اور مقاصد تعلیم بھی اس ذہن کے مطابق ہوتے تو پھر وہ بچے بڑے ہونیکے بعد بنی اسرائیل کے بجائے فرعون کے مقاصد کے کام کے بن جاتے اور بغیر قتل کے نتیجۂ قتل حاصل ہو جاتا۔

## ایک مثال

ہندوستان میں جب ہندی کا اجراء کیا گیا تو ہندی کی اس وقت کی حیثیت وحالت کو دیکھتے ہوئے لوگ مذاق اڑاتے تھے لیکن جب ۲۵-۳۰ سال مسلسل اس کی تعلیم دی گئی تو آج یہ نوبت آ گئی کہ وہ سماج کی اصل زبان بن گئی اور اب وہی ہندوستانی معاشرہ کی زبان اول ہے۔

## اصول ومزاج سمجھنے کی ضرورت

اس بنیاد پر تعلیم، نظام تعلیم، نظریاتِ تعلیم کی معاشرہ کی تربیت وتشکیل میں بڑی اہمیت ہے۔اس سلسلہ میں معاشرہ کے مزاج اور طبقات کے لحاظ سے تعلیم کی تفصیل اوراس سلسلہ میں سابق اہلِ علم کے تجربات وخیالات ومعلومات کو جاننے کی ضرورت ہوتی ہے۔تعلیم کے سلسلہ میں ہم کو اولاً باضابطہ تعلیم یعنی مدرسہ کے کام اور مقام اوراس کے اجزائے ترکیبی یعنی طلبہ اور موادِ تعلیم نیز نظریات تعلیم کے جاننے کی ضرورت ہے۔ اور معاشرہ کے سلسلے میں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ گھریلو زندگی کا تعلیمی کام کے سلسلہ میں کیا درجہ ومقام ہے۔ پھر مذہبی ذرائع کا تعلیمی لحاظ سے کیا اثر ہوتا اور ہوسکتا ہے۔مقاصد تعلیم میں بھی متعدد پہلو آتے ہیں۔مثلاً قومی، جمہوری، اخلاقی اور مقاصد حکومت وسیاست، ذرائع نشرواشاعت کی ترقی سے پیدا ہونے والے اثرات وفوائد نیز دیگر ذرائع ومقاصد تعلیم قابل مطالعہ واستفادہ ہیں۔

نیز یہ بھی جاننے کی ضرورت ہوتی ہے کہ تعلیم وتربیت میں مخاطبین کا ذوق ومزاج ان کی نفسیات اور شعوری کیفیات کیا ہوتی ہیں یا ہوسکتی ہیں اوران کا تعلیمی کام پر کتنا اور کیا اثر پڑتا اور پڑسکتا ہے۔

☆☆☆

قسط اول

# حکم خدا کی اہمیت

پیر ذوالفقار احمد نقشبندی

**الحمد لله و كفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد!**

**فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم**

**ان الحكم الا لله (يوسف: ۴۰)**

**سبحن ربک رب العزة عما يصفون. وسلم على المرسلين. والحمد لله رب العلمين.**

**اللهم صل على سيدنا محمد وعلى آل سيدنا محمد وبارک وسلم**

**اللهم صل على سيدنا محمد وعلى آل سيدنا محمد وبارک وسلم**

**اللهم صل على سيدنا محمد وعلى آل سيدنا محمد وبارک وسلم**

## عاجزی کا دروازہ

اللہ رب العزت عظمت اور کبریائی والے ہیں۔ وہ اس کائنات کے خالق اور مالک ہیں۔ زمین اور آسمان میں اسی پروردگار کا حکم چلتا ہے اور ان کے درمیان اسی کی بادشاہی کارفرما ہے۔ سب شان اور بلندی اسی کو زیبا ہے۔ اسی لیے حدیث قدسی میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ

الکبر ردائی۔ بلندی اور بڑائی میری چادر ہے۔

بلاشبہ یہ چادر پروردگارِ عالم کو ہی سجتی ہے۔ اس لیے بندے کو چاہیے کہ وہ عاجزی اختیار کرے۔ عاجزی وہ نعمت ہے کہ جس کے اختیار کئے بغیر کسی بھی انسان کو اللہ رب العزت کی معرفت نصیب نہیں ہوسکتی۔ جو انسان بھی اللہ کے در تک پہنچا اسے عاجزی کے دروازے سے

گزرنا پڑا۔ اس دروازے میں سے گزرے بغیر کوئی بندہ بھی اللہ سے واصل نہیں ہوا۔ اس عاجزی کو پیدا کرنے کے لیے مشائخ عظام مجاہدے کرواتے ہیں، پروردگار کے در پر جھکنا اور اس کی ماننا سکھاتے ہیں اور اس کے احکام کی عظمت دل میں پیدا کرتے ہیں۔

## حکمِ خدا کی اہمیت

حکم خدا، حکمِ خدا ہے۔ آج کے زمانے کے فسادات میں سے ایک فساد یہ بھی ہے کہ احکامِ الٰہی کی عظمت دل سے نکلتی جارہی ہے۔ شریعت کے احکام جب کسی کے سامنے آتے ہیں اور وہ ان کی منشاء کے خلاف ہوتے ہیں تو ان کے نفوس تاویلات نکالنا شروع کر دیتے ہیں، فرار کی راہیں اختیار کرتے ہیں اور سوالات پوچھتے ہیں کہ شریعت میں ایسا کیوں ہے؟ یاد رکھئے کہ جس بندے نے کلمہ پڑھ لیا اور کہہ دیا کہ قبلت جمیع احکامہ

میں نے اللہ تعالیٰ (کی شریعت) کے سب احکام قبول کر لیے

تو اب اس کے پاس سوال کرنے کا اختیار نہیں رہا، اب وہ یہ نہیں پوچھ سکتا کہ شریعت میں ایسا کیوں ہے؟ جب احکام قبول کر لیے تو اب فقط احکام پر عمل کرنا باقی رہ گیا۔

## جانوروں کی فرماں برداری

اللہ رب العزت نے جانوروں کو انسان کے تابع بنادیا ہے۔ مثال کے طور پر

(ا) اونٹ اتنا بڑا جانور ہے کہ اگر ایک لات مار دے تو بندے کی جان ہی نکل جائے۔ لیکن چھوٹے سے بچے کے ہاتھ میں اس کی نکیل دے دی جائے تو اونٹ اس کے پیچھے چلنا شروع کر دیتا ہے۔ حالاں کہ یہ آٹھ دس سال کا بچہ ہے۔ مگر اونٹ کو اس کا بھی مطیع و فرمانبردار بنا دیا گیا۔ اس نے اپنے مالک سے کبھی جھگڑا نہیں کیا کہ میری کمر پر بوجھ نہ لادو۔ اونٹ کی جسامت دیکھیں اور چھوٹے بچے کا معاملہ دیکھیں کیا کوئی تُک بنتی ہے؟ مگر نہیں، پروردگار نے اسے مطیع بنا دیا ہے،

اس لیے سر جھکائے پیچھے پیچھے چل رہا ہوتا ہے۔ اس کا مالک اس کو جہاں چاہے لے جائے وہ بغیر کسی حیل وحجت کے پیچھے چلتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ سینکڑوں میل کا سفر طے کر لیتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ گھوڑے کو انسان کے ماتحت بنا دیا ہے اور وہ انسان کی فرماں برداری کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے گھوڑے سے بولنے کا اختیار بھی چھین لیا ہے۔ اگر بالفرض گھوڑے کو بولنے کی قوت مل جاتی اور وہ بھی قدم قدم پر کہتا کہ آپ نے مجھے دانہ نہیں دیا، یا چارہ نہیں دیا یا مجھے بھی Sick Leave (بیماری کی چھٹی) چاہئے کیوں کہ آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تو ہمارے لیے مصیبت کھڑی ہو جاتی۔ انسان کا حال دیکھو کہ وہ سارا دن گھوڑے سے کام لیتا ہے اور شام کو اسے دانہ ڈالنا بھی بھول جاتا ہے۔ گھاس تھوڑا ملا تو جتنا تھا وہی ڈال دیا۔ اس کا پیٹ بھرے یا نہ بھرے وہ صبر وشکر کیساتھ اس کو کھا کے کھڑا ہو جاتا ہے۔ سردیوں کی رات میں مالک خود تو بستر میں رضائی اوڑھ کر سو گیا جب کہ وہ بسا اوقات گھوڑے کو کمرے میں باندھنا بھی بھول جاتا ہے۔ یوں گھوڑا رساری رات سردی کے اندر کھڑا رہتا ہے، اس کے لیے پلنگ، بستر ورضائی بھی نہیں ہوتی، اسے سردی میں نیند بھی نہیں آتی اور وہ لیٹ بھی نہیں سکتا بلکہ کھڑے کھڑے سو جاتا ہے۔ وہ ساری رات اسی طرح گزار دیتا ہے۔ اگلے دن اس کے (Sick Leave) بھی نہیں ہوتی۔ وہ مالک کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ آج میں کام پر نہیں جا سکتا کیوں کہ آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور رات کو میری نیند بھی پوری نہیں ہوئی۔ مالک اسے دوسرے دن بھی تانگے میں جوت دیتا ہے اور پھر سارا دن بھاگتا رہتا ہے۔

کئی مرتبہ ہم نے دیکھا کہ مالک نے اپنے گھوڑے کو پانی بھی نہیں پلایا ہوتا اور کہیں آ کے کھڑا کیا تو قریب ہی گندی نالی سے گھوڑے نے پانی پینا شروع کر دیا۔ وہ اپنے مالک کا بھی شکوہ نہیں کر سکتا کہ آپ کے لیے تو پیپسی اور کوک اور میرے لیے پانی بھی نہیں ہے اور یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ سارا دن بھاگنے کی وجہ سے گھوڑا تھک چکا ہوتا ہے اور اسی دوران مالک کو اسٹیشن جانے والی سواریاں مل جاتی ہیں، سواریاں اسے کہتی ہیں کہ ہم آپ کو پانچ روپے زیادہ دیں گے، گھوڑے کو ذرا

جلدی دوڑائیں کیوں کہ ہماری گاڑی نکل رہی ہے۔ گھوڑا سارا دن تھکا ہوا ہوتا ہے مگر مالک اسے چابک مارنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ مالک کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تو سارا دن بھاگتا رہا ہوں، اب پانچ روپے کی خاطر مجھ پر اتنا ظلم کر رہے ہو۔ وہ بے چارہ چابک بھی کھا رہا ہوتا ہے اور بھاگ بھی رہا ہوتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کی مجبوری دیکھئے کہ اس بھاگنے کے دروان اگر اس کو لید کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کو اس ضرورت کے لیے بھی کھڑا ہونے کی فرصت نہیں ہوتی۔ لہذا وہ بھاگ بھی رہا ہوتا ہے اور لید بھی کر رہا ہوتا ہے۔ آپ نے کبھی کسی کو بھی اتنا مجبور دیکھا ہے کہ اس طبعی ضرورت کے لیے بھی اس کو کھڑا ہونے کی فرصت نہیں دی جا رہی۔ گھوڑا لید بھی پھینکتا جا رہا ہوتا ہے اور وہ اپنا سفر بھی کرتا جا رہا ہوتا ہے۔ اگر اس کے جسم پر زخم ہو اور مالک اس پر کچھ نہ لگائے تو مکھیاں اس پر بیٹھ کر اسے تنگ کرتی ہیں لیکن وہ اپنے مالک کو بتا نہیں سکتا کہ جناب! کچھ اس پر لگا دیجئے۔ مالک اگلے دن پھر اس پر زین ڈال دیتا ہے جس سے اس کا پرانا زخم پھر تازہ ہو جاتا ہے۔ مگر اس کو بتانے کی اجازت نہیں ہوتی آپ سوچیے تو سہی کہ گھوڑا اپنے مالک کا کتنا فرماں بردار ہے کہ ہر کام میں آمین ہی کہہ رہا ہوتا ہے، اس کو آگے سے بولنے یا نافرمانی کرنے کی اجازت ہی نہیں ہوتی۔

(۳) لوگ حفاظت کے لیے اپنے گھروں میں کتے پالتے ہیں۔ کتے کو جب بھوک لگتی ہے تو وہ آ کر جوتوں میں بیٹھتا ہے۔ کبھی کسی کتے کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ دسترخوان پر پڑے ہوئے کھانے میں سے کوئی بوٹی اٹھا کر لے جائے۔ حالاں کہ اس میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ اگر وہ جھپٹ پڑے تو دسترخوان پر بیٹھ کر لوگوں سے روٹی بھی چھین کر لے جائے مگر وہ ایسا نہیں کرتا۔ اس کے بیٹھنے کی جگہ قالین نہیں ہوتی بلکہ اس کے بیٹھنے کی جگہ جوتوں میں ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں ماتحت ہوں اور میری جگہ یہی ہے۔ تو آپ اندازہ لگائیے کہ کتا اپنے مالک کے جوتوں میں بیٹھتا ہے اور جوتوں سے آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ کیوں؟ اس لیے کہ اللہ تعالی نے اس کو ماتحت بنا دیا ہے۔ وہ ساری رات جاگ کر مالک کے گھر پر پہرہ دیتا ہے اور صبح

اس کے لیے کوئی بستر نہیں ہوتا۔ کتے کا کوئی گھر ہی نہیں ہوتا، کبھی اس دیوار کے نیچے اور کبھی اس درخت کے نیچے، اس طرح وہ زندگی گزار دیتا ہے۔ اگر مالک جوتے اور ڈنڈے بھی مارے تو کتے کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے کہیں اوجھل ہو جاتا ہے اور پھر اسی مالک کے دروازے پر بیٹھا ہوتا ہے۔ یہ کتنا وفادار جانور ہے کہ جوتے کھا کر بھی اپنے مالک کا گھر نہیں چھوڑتا اور ہماری یہ حالت ہے کہ ہم نعمتیں کھاتے ہوئے بھی اپنے مالک کا در یاد نہیں آتا۔

## کتے کی وفاداری

کتے کی وفاداری کے بیسیوں واقعات کتابوں میں ملتے ہیں۔

(۱) حیات الحیوان میں لکھا ہے کہ ایک شخص سفر پر نکلا۔ راستہ میں اس نے کسی جگہ پر ایک خوب صورت قبہ بنا ہوا دیکھا۔ اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی تعمیر پر خوب خرچ کیا گیا ہے۔ اس قبہ پر لکھا ہوا تھا کہ جو شخص اس قبہ کی تعمیر کی وجہ معلوم کرنا چاہے وہ اس گاؤں میں سے جا کر معلوم کرے۔

اس آدمی کے دل میں یہ تجسس پیدا ہوا کہ گاؤں جا کر اس قبے کی تعمیر کی وجہ معلوم کرنی چاہیے۔ چناں چہ وہ اس گاؤں میں گیا اور لوگوں سے پوچھنا شروع کر دیا۔ وہ جس سے بھی پوچھتا وہ لاعلمی کا اظہار کرتا۔ بالآخر پتہ کرتے کرتے اسے ایک ایسے شخص کا علم ہوا جس کی عمر دو سو برس تھی۔ وہ آدمی ان کے پاس گیا اور ان سے اس قبے کے متعلق سوال کیا۔ اس ضعیف العمر شخص نے بتایا کہ میں اپنے والد سے سنا کرتا تھا کہ اس گاؤں میں ایک زمیندار رہتا تھا۔ اس کے پاس ایک کتا تھا جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا اور کسی وقت بھی اس سے جدا نہیں ہوتا تھا۔

ایک دن وہ زمین دار کہیں سیر کرنے گیا اور اپنے کتے کو گھر ہی پر باندھ گیا تا کہ وہ اس کے ساتھ نہ جا سکے اور چلتے وقت اپنے باورچی کو بلا کر ہدایت کی کہ میرے لیے دودھ کا کھانا تیار کر کے رکھے زمین دار وہ کھانا بڑے شوق سے کھاتا تھا۔ زمین دار کے گھر میں ایک گونگی لونڈی

بھی تھی۔ جب زمین دار باہر گیا تو وہ لونڈی اس بندھے ہوئے کتے کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر کے بعد زمین دار کے باورچی نے اس کے لیے دودھ کا کھانا تیار کیا اور اس کو ایک بڑے پیالے میں رکھ کر اس گونگی لڑکی اور کتے کے قریب لا کر اونچی جگہ پر رکھ دیا تا کہ جب زمین دار واپس آئے تو اس کو آسانی سے کھانا مل جائے۔

جب باورچی کھانا رکھ کر چلا گیا تو ایک کالا ناگ اس جگہ پر آیا اور اس اونچی جگہ پر چڑھ کر اس پیالے میں سے دودھ پی کر چلتا بنا۔ کچھ دیر کے بعد جب زمین دار واپس آیا اور اس نے اپنا پسندیدہ کھانا پیالے میں تیار رکھا ہوا دیکھا تو پیالہ اٹھالیا اور جیسے ہی اس کو کھانے کا ارادہ کیا تو گونگی لڑکی نے بڑے زور سے تالی بجائی اور ساتھ ساتھ زمین دار کو ہاتھ کے اشارے سے بھی کہا کہ وہ اس کھانے کو نہ کھائے۔ مگر زمین دار گونگی کی بات نہ سمجھ سکا اور ایک نظر گونگی کو دیکھ کر پھر پیالے کی طرف متوجہ ہوا۔ ابھی اس کھانے کے لیے ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ اتنے میں کتا بہت زور سے بھونکا اور مسلسل بھونکتا رہا، حتی کہ جوش میں آکر اس نے اپنی زنجیر بھی توڑنے کی کوشش کی۔

زمین دار کو ان دونوں کی ان حرکتوں پر تعجب ہوا اور وہ سوچنے لگا کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ چناں چہ وہ اٹھا اور پیالے کو رکھ کر کتے کے پاس گیا اور اس کو کھول دیا۔ کتے نے زنجیر سے آزادی پاتے ہی اس پیالے کی طرف چھلانگ لگائی اور جھپٹا مار کر اس پیالے کو نیچے گرا دیا۔ زمین دار یہ سمجھا کہ یہ کتا اس کھانے کی وجہ سے بے تاب تھا۔ چناں چہ اپنا پسندیدہ کھانا گرانے پر غصے میں آکر اس نے کتے کو کوئی چیز اٹھا کر مار دی۔ لیکن کتے نے اب بھی پیالے میں کچھ دودھ بچا ہوا دیکھا تو اس نے فوراً اپنا منہ اس پیالے میں ڈال دیا اور بچا ہوا دودھ پی گیا۔ دودھ کا کتے کے حلق سے نیچے اترنا ہی تھا کہ وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا اور کچھ دیر کے بعد مر گیا۔

اب زمین دار کو اور بھی حیرانی ہوئی اور اس نے گونگی لڑکی سے پوچھا کہ آخر اس دودھ میں کیا بات تھی کہ کتا اس کو پیتے ہی مر گیا۔ اس وقت گونگی نے اشاروں سے زمین دار کو سمجھایا کہ اس

دودھ میں سے ایک کالا ناگ کچھ دودھ پی گیا تھا جس کے زہر کی وجہ سے کتا مر چکا ہے اور وہ خود اور کتا اسی وجہ سے تم کو اس کے پینے سے روک رہے تھے۔ جب زمین دار کی سمجھ میں ساری بات آ گئی تو اس نے باورچی کو بلایا اور اس کو سرزنش کی کہ اس نے کھانا کھلا ہوا کیوں رکھا تھا۔ اس کے بعد زمین دار نے اس کتے کو دفنا کر اس کے اوپر یہ قبہ تعمیر کرادیا ذرا سوچئے کہ کتے کے اندر کتنی وفاداری ہوتی ہے کہ اس نے اپنی جان دے کر اپنے مالک کی جان بچالی۔

(۲) عجائب المخلوقات میں ایک واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک شخص نے کسی کو قتل کر کے اس کی لاش کسی کوئیں میں ڈال دی۔ مقتول کا کتا واردات کے وقت اس کے ساتھ تھا۔ وہ کتا روزانہ اس کوئیں پر آتا اور اپنے پنجوں سے اس کی مٹی ہٹاتا اور اشاروں سے بتاتا کہ اس کا مقتول مالک یہاں ہے اور جب کبھی قاتل اس کے سامنے آتا تو وہ اس کو دیکھ کر بھونکنے لگتا۔ لوگوں نے جب بار بار اس بات کو دیکھا تو انہوں نے اس جگہ کو کھدوایا۔ چناں چہ وہاں سے مقتول کی لاش برآمد ہوئی اور اس کے قاتل کو سزائے موت دی گئی۔

## ایک نازک مسئلہ

جس طرح حیوانوں کو اللہ تعالی نے انسان کا فرماں بردار اور ماتحت بنادیا ہے اور وہ اس کے سامنے اپنا سر جھکا دیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالی نے انسانوں کو اپنے محبوب ﷺ کا ماتحت بنادیا ہے، لہذا جتنے بھی انسان ہیں ان کو چاہئے کہ وہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے حکم پر ہر وقت لبیک اور آمین کہا کریں۔ نہ کوئی انکار کی گنجائش ہے اور نہ ہی نبی علیہ السلام کی کسی سنت پر اعتراض کی گنجائش ہے۔ کلمہ پڑھ کر ہم نے عہد کیا ہے کہ اے اللہ! جس طرح ہمارے جانور ہمارے ماتحت ہیں اسی طرح ہم آپ کے اور آپ کے محبوب ﷺ کے ماتحت ہیں۔ اے اللہ! اگر ہم جانوروں کے مالک ہیں اور وہ ہماری اتنی فرماں برداری کرتے ہیں تو ہمارے اصل مالک تو آپ ہیں، ہمیں بھی آپ کی فرماں برداری کرنی چاہئے۔ اسی لیے اللہ تعالی کے احکام میں نکتہ چینی کرنا اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی سنتوں پر اعتراض کرنا ایمان سے محرومی کا سبب بن جاتا

ہے۔لہذا آج کے دور کا یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔آج کل کالجوں اور یونیورسٹیوں کے لڑکے آپس میں بیٹھ کر یہ Topic (موضوع) چھیڑ لیتے ہیں کہ جی شریعت میں یہ کیوں ہے؟ یہ کیوں ہے؟ اور ایمان جیسی دولت سے محروم رہ جاتے ہیں۔یہ مسئلہ بہت نازک ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے مالا بدمنہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر دو بندوں میں گفتگو ہورہی ہے اور ان میں سے ایک یہ کہہ دے کہ یار! یہ تو شریعت کی بات ہے اور سننے والا جواب میں کہہ دے کہ ''رکھ پرے شریعت کو'' تو فقد کفر۔یعنی ان لفظوں کے کہنے سے وہ بندہ کافر بن جاتا ہے۔یہ کوئی چھوٹی سی بات ہے کہ ایک بندہ شریعت کی بات کہے اور دوسرا کہے کہ ''رکھ پرے شریعت کو''۔

یادرکھیں کہ جہاں بھی سنت کا استخفاف ہوگا وہاں انسان ایمان سے محروم ہوجائے گا۔اپنی سستی اور غفلت کی وجہ سے سنت پر عمل نہ کرنا الگ مسئلہ ہے،اس سے انسان گنہ گار تو ضرور ہوتا ہے مگر اس سے کافر نہیں ہوتا،لیکن اگر کوئی بندہ سنت پر اعتراض کردے یا سنت کا مذاق اڑائے یا کوئی ایسی بات کردے جس سے سنت ہلکی اور بے وزن نظر آئے تو اس سے انسان ایمان سے محروم ہوجاتا ہے۔یہاں سمجھنے والی بات یہ ہے کہ اپنے دل میں حکمِ خدا کی عظمت بٹھائیے۔یاد رکھیں کہ جب سالک کے دل میں حکم خدا کی عظمت پیدا نہیں ہوگی اس وقت تک نفس کو لگام نہیں پڑے گی،نفس ہمیشہ شریعت کے اندر اپنی منشاء تلاش کرے گا۔حتی کہ عالم بھی جب قرآن پڑھے گا تو اس میں سے منشائے خداوندی تلاش کرنے کی بجائے اپنی منشاء تلاش کرے گا۔ہمیں چاہئے کہ ہم قرآن مجید میں اللہ رب العزت کی منشاء تلاش کریں اور یہ تب ہوتا ہے جب نفس کے گھوڑے کو لگام دے دی جائے اور حکمِ خدا کی عظمت دل میں آجائے۔

☆☆☆

# خبر نامہ

## سنبھل جامع مسجد تنازع: اگلی سماعت تک جوں کی توں صورت حال برقرار رکھنے کی ہدایت۔

**نئی دهلی (ایجنسیاں)** سپریم کورٹ نے جمعہ کو سنبھل مسجد تنازع میں ۲۵ راگست تک جوں کی توں صورت حال برقرار رکھنے کا حکم دیا۔ اس نے ہندو درخواست گزاروں کو نوٹس جاری کیا۔ جسٹس پی ایس نرسمہا اور جسٹس اے ایس چندورکر کی بنچ نے یہ حکم دیا۔ عدالت عظمی مسجد کمیٹی کی طرف سے دائر ایک اپیل سماعت کر رہی تھی۔ جس میں الہ آباد ہائی کورٹ کے حکم کو چیلنج کیا گیا تھا جس میں شاہی جامع مسجد اور ہری ہر مندر تنازع میں سنبھل کی ایک عدالت کے ذریعہ سروے کے حکم کے خلاف اس کی عرضی کو مسترد کر دیا گیا تھا اور سروے کے لیے سول کورٹ کی ہدایت کو برقرار رکھا گیا تھا۔ ہائی کورٹ نے کہا تھا کہ کورٹ کمشنر کی تقرری کا حکم اور مقدمہ زیر غور ہے۔ مسجد کمیٹی نے گزشتہ سال ۱۹ رنومبر کو سول جج کی جانب سے مغل دور کی مسجد کے سروے کی ہدایت دینے والے حکم کے خلاف ہائی کورٹ سے رجوع کیا تھا جو اسی دن ہوا تھا۔

کمیٹی نے دعویٰ کیا کہ گزشتہ سال ۲۴ رنومبر کو کیا گیا دوسرا سروے غیر قانونی تھا کیوں کہ سول کورٹ نے کبھی اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ یہ معاملہ مسجد کمیٹی کی طرف سے دائر کی گئی درخواست کے ردعمل میں عدالت کے سامنے آیا، جس میں انہوں نے الہٰ آباد ہائی کورٹ کے ۱۹ رمئی ۲۰۲۵ کے فیصلے کو چیلنج کیا تھا۔ ہائی کورٹ کے فیصلے میں ہندو فریق کو مقدمہ چلانے کی اجازت دی گئی تھی، باوجود اس کے کہ ۱۹۹۱ کے عبادت گاہ قانون کے تحت اعتراضات پیش کئے گئے تھے۔ مسجد کمیٹی کی خصوصی لیو پٹیشن جسٹس پی ایس نرسمہا اور جسٹس اتل چندورکر کی بنچ کے سامنے زیر سماعت تھی۔ کمیٹی کی جانب سے سینئر وکیل حذیفہ احمدی نے عدالت میں دلیل دی کہ ہائی کورٹ نے غلطی کی کہ مقدمہ ۱۹۹۱ کے ایکٹ کے تحت درج نہیں ہے۔ احمدی نے کہا کہ مرکزی سوال یہ ہے کہ نچلی عدالت کی کارروائی مذہبی مقام کی تاریخی حیثیت کو بدلنے یا چیلنج کرنے کی قانونی پابند قوانین کی خلاف ورزی تو نہیں کرتی۔ جسٹس نرسمہا نے کہا کہ معاملے پلیسز آف ورشپ ایکٹ کے آئینی چیلنجز کے بنچ شامل کرنے پر غور کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ یہ مسئلہ صرف سنبھل تک محدود نہیں ہے۔ ..................

(بشکریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا، دہلی ۲۳ راگست ۲۰۲۵ء)